قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

نومبر
2008ء

اللہ
رسول
محمد

المجاہد من جاہد نفسہ — مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

(الحدیث)

ماہنامہ

الرشد

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

پیری مریدی کا حاصل

قرآن حکیم کو سمجھانا اور اس سے ہدایت کا نصیب ہونا یہ منصب نبوت و رسالت ہے کہ محض لغت اور زباندانی کا سہارا لے کر کوئی سمجھ نہیں سکتا نبی علیہ السلام کے سمجھانے سے بات بنتی ہے اور نبی ﷺ پر ایمان کی برکت یہ ہے کہ انسان کے عقیدہ وعمل کا سفر ظلمت سے نور کی طرف اور غلطی سے اصلاح کی طرف شروع ہو جاتا ہے یہی برکات نبوی شیخ کی وساطت سے نصیب ہوتی ہیں اور پیری مریدی کا حاصل یہی ہے کہ عملاً گناہ کی زندگی سے واپسی نصیب ہو جائے۔ یہ سب اللہ کا کرم واحسان ہے اور اس کا عفو و درگزر کہ گمراہوں کو ہادی عطا کر دیا کہ وہ بہت رحم کرنے والا ہے اگر تم مال کی محبت میں دیوانے ہو اور جانتے ہو کہ ایمان لانے سے مال خرچ کرنا پڑے گا یا سود وغیرہ ناجائز ذرائع سے جمع نہ کر سکیں گے تو بھلا یہ مال تمہارے پاس بچے گا کب یہ تو تم سے چھن جائے گا تم مرجاؤ گے یہ اوروں کا ہو جائے گا اور درحقیقت تو اس ارض وسما میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے کہ بالآخر سب کو عارضی ملکیت بھی چھوڑ کر چلے جانا ہے اور یاد رکھو وقت، طریق کار اور خلوص وجاں نثاری اعمال کے درجات میں فرق پیدا کر دیتی ہے جیسے فتح مکہ سے پہلے جن کو آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے سارے وسائل اللہ کی راہ میں صرف کیے ان کا درجہ ان لوگوں سے بہت بلند ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ سعادت حاصل کی کہ فتح مکہ سے قبل تو دعویٰ ایمان جان دینے کے برابر تھا اور بظاہر اسلام کی کامیابی کے اسباب نہ ہونے کے برابر تھے انسانی مزاج ہے کہ وہ اسباب پہ نظر رکھتا ہے اور اگر کسی تحریک کی کامیابی کے آثار نہ ہوں تو قریب نہیں جاتا مگر جو محض حق کا طالب ہو اور اسے حق نظر آئے تو وہ اسباب کی پرواہ نہیں کرتا یہ حال مکی عہد کا تھا اور فتح مکہ کے بعد تو اسلام کی ریاست وجود میں آ گئی تب بھی جو لوگ آپ کی غلامی میں آ گئے ان کے درجات بہت عالی و بلند ہیں مگر ان لوگوں کے مقامات ان سے بلند ترین ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیے اور اپنی جانیں نذرانہ دیں اور جہاد کیے ہاں آپؐ پر ایمان لانے والے اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرنے والے تمام لوگوں سے اللہ کے کرم واحسان کا وعدہ ہے یعنی سب کے سب نجات یافتہ ہیں جس کے مثالی مسلمان صحابہ کرامؓ ہیں۔

اداریہ

اِن کیمرہ اجلاس کے بعد..................!

وطن عزیز کی سیاست میں پارلیمنٹ کی بالادستی کا نعرہ نیا نہیں ہے۔ ہر دور میں سیاستدان پارلیمنٹ کی بالادستی کا نعرہ مسلسل لگاتے رہے ہیں۔ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء کے عام انتخابات کے بعد تو پارلیمنٹ کی بالادستی کے نعرے میں مزید شدت آ گئی اور یہ سلسلہ تادم تحریر جاری وساری ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ پارلیمانی نظام حکومت میں پارلیمنٹ انتہائی کلیدی اہمیت کا حامل ادارہ ہے اور پارلیمانی نظام میں اس ادارہ پر ہی ملک کی تعمیر وترقی کا تمام تر انحصار بھی ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں پارلیمنٹ خاطر خواہ کردار ادا کرنے میں ناکام رہی۔ گذشتہ دنوں اراکین پارلیمنٹ کا ان کیمرہ اجلاس منعقد ہوا جس میں ملکی سلامتی کو درپیش خطرات اور دیگر اہم امور پر متفقہ لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے اراکین پارلیمنٹ کو بریفنگ دی گئی۔ یہ اجلاس انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ گھپ اندھیرے اور شدید مایوسی میں گھری قوم یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ منتخب اراکین اسمبلی ذمہ داری اور تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں گے لیکن بدقسمتی سے یہ ان کیمرہ اجلاس بھی بے نتیجہ رہا اور پارلیمنٹ ایک بار پھر قوم کے اعتماد پر پورا اُترنے میں ناکام رہی۔

پارلیمنٹ کے ان کیمرہ اجلاس میں انٹیلی جنس اداروں کی بریفنگ کے بعد حکومت کو دہشت گردی کے خلاف جاری حکومتی پالیسی کی وضاحت کرنا چاہئے تھی اور عسکریت پسندوں سے ہونے والے مذاکرات کی تفصیل، مذاکرات کی ناکامی کی وجوہات اور ان اقدامات کی وضاحت ضروری تھی جو اب تک قبائلی علاقوں کی تعمیر وترقی کے لئے اٹھائے گئے ہیں۔

بلاتفریق مذہب دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے دہشت گردی کی وجوہات کا خاتمہ ضروری ہے اس لئے حق یہ ہے کہ اراکین پارلیمنٹ دہشت گردی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کے خاتمہ کی طرف متوجہ ہوتے۔

قبائلی علاقوں کی صورتحال اگرچہ بہت سنگین ہے لیکن اس کے پیچھے بہت سے عوامل اور محرکات کارفرما ہیں۔ صرف القاعدہ ہی کو ساری صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرا دینا قرین مصلحت نہیں کیونکہ قبائلی علاقوں میں غیر ملکی عناصر اور ان علاقوں میں سرگرم سمگلرز کا کردار بھی انتہائی اہم رہا ہے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ ملک دشمن عناصر قبائلی علاقوں کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کر رہے ہیں جہاں تک عسکریت پسندوں سے ہونے والے مذاکرات کا تعلق ہے تو مذاکرات کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وطن عزیز میں قانون نام کی کوئی شے کہیں نظر نہیں آتی۔ جو برائے نام قانون موجود بھی ہے اس پر بھی عملدرآمد کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ اس صورتحال میں حکومتی ذمہ داران جب مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر حکومتی رٹ کی بحالی اور قانون پر عملدرآمد کی بات کرتے ہیں تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان کے کونسے علاقے میں قانون کی حکمرانی نظر آتی ہے اور ملک کے کس کونے میں قانون پر عملدرآمد ہو رہا ہے؟ حکومتی مذاکرات کاروں کے پاس اس چبھتے ہوئے سوال کا جواب نہیں ہوتا اور یہی امر مذاکرات کی ناکامی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے!

اس میں کچھ شک نہیں کہ دہشت گردی کا مسئلہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور وطن عزیز کا ہر شہری دہشت گردی کی آگ کی تپش محسوس کر رہا ہے۔ عوام الناس کی اکثریت جنگ وجدل کی بجائے مذاکرات کے ذریعے مسائل کا حل چاہتی ہے۔ اس تناظر میں موجودہ حکومت اور پارلیمنٹ پر یہ مشترکہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے ایسی جامع پالیسی تشکیل دیں جو قومی امنگوں اور عوامی جذبات کی ترجمان ہو۔ اس ضمن میں یہ امر بطور خاص پیش نظر رکھنا ہوگا کہ عدل وانصاف کی فراہمی اور آئین وقانون پر عملدرآمد کے بغیر ظلم کا خاتمہ ممکن ہے نہ دہشت گردی پر قابو پایا جا سکتا ہے!

Ma— aal سلیم

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر | نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے | سوچ سمندر

متاعِ فقیر | آس جزیرہ | دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

''میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں، اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم، سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔''

/ غزل /

زمانے بھر کے غم دیکھے ہیں میں نے
مگر اے کاش تیرا غم نہ ہوتا

گوارا تھی زمانے بھر کی دوری
تیرا محفل میں آنا کم نہ ہوتا

نہ ہوتی دل میں گر تیری محبت
زمانے میں ہمارا دم نہ ہوتا

ا

گر ملتی تیری چاہت کی گرمی
تو اپنا حوصلہ بھی کم نہ ہوتا

نہ اگتا بیج الفت کا جہاں میں
نمی سے آنکھ کی گر نم نہ ہوتا

تیری آغوش میں جاتا اگر دم
تو ایسا نزع کا یہ عالم نہ ہوتا

نہ مرتا بے بسی کی موت سیماب
اگر وہ مہرباں برہم نہ ہوتا

اقوالِ شیخ

☆......جو بھی کام قرآن حکیم کی تعلیمات سے ہٹ کر کیا جائے وہ نیکی نہیں بلکہ اپنے ساتھ ظلم ہے۔

☆......آج کے مسلمان نام اسلام کا لیتے ہیں لیکن عمل اسلام کے خلاف کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ نتائج عمل پر مرتب ہوتے ہیں صرف کہنے پر نہیں۔

☆......انگریز کے بنائے ہوئے استعماری نظام کی گدی پر دیسی گورے بیٹھے ہمیں غلامی کے کوڑے سے ہانک رہے ہیں۔

☆......اگر ایک ایک پاکستانی مسلمان خود کو اور اپنے گھرانے کو حضور ﷺ کی غلامی میں لے آئے تو حکمرانوں کو بھی ان کے قدموں میں آنا پڑے گا۔۔

☆......قرب الٰہی کی طلب روح کا خاصہ ہے لیکن اس کی تکمیل مادی دنیا میں راہ کر بدن کی محنت سے ہوتی ہے۔

☆......جب تک دل میں اتباع رسول ﷺ کی محبت اور عدم اطاعت سے نفرت نہ آجائے بندہ عملی زندگی میں تبدیلی پیدا نہیں کرسکتا۔

☆......حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر انداز اُخروی فلاح و کامیابی اور مادی زندگی میں آسانی کا ضامن ہے۔

☆...... دنیا عالم اسباب ہے یہاں ہر چیز حاصل کرنے اور اسکی حفاظت کرنے کے لئے اسباب اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

اسلام کی عالمگیریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

"یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آج سے سوا چودہ سو برس پہلے جو مکمل دستورِ حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، وہ اپنی قوم کے لئے نہیں تھا، اہل عرب کے لئے نہیں تھا، کسی ایک نسل کے لئے نہیں تھا، کسی ایک خطے کے لئے نہیں تھا بلکہ روئے زمین پر بسنے والی اولاد آدم کے لئے تھا۔ سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ اہل مغرب کے بنائے ہوئے قوانین اہل مشرق کو راس نہیں آتے اور شمال کے لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین پر جنوب کے لوگوں کے لئے عمل ممکن نہیں۔ ایک ایسا دستورِ حیات ممکن نہیں جو موسموں کی تبدیلی، خوراک، افراد کی تبدیلی، ان کی سوچوں کی تبدیلی، ان کی رسومات کی تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر ہر جگہ، ہر قوم اور ہر ملک کے لئے یکساں قابل عمل ہو۔ یہاں گرمی ہے تو جنوب میں سردی ہے، یہاں شدید گرمی ہوگی تو وہاں برف باری شروع ہو جائے گی، اس وقت بھی بعض ممالک میں شدت سے گرمی پڑ رہی ہے تو بعض ممالک میں شدید برف باری ہو رہی ہے لوگوں کے رنگ مختلف ہیں، نسلیں مختلف ہیں، غذائیں مختلف ہیں، سوچ کے انداز مختلف ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستور دیا وہ ایک ہے اور پوری زندگی کا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جہاں جہاں، دنیا کے جس ملک میں جس نے دین اسلام قبول کیا، اس کے لئے اس پر عمل آسان ہے اور کوئی کمیٹی نہیں بنی جو اس میں تبدیلی کرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تشریح کی تو آئمہ کرام نے بھی انہی ارشادات عالیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور وضاحت کی۔ دنیا میں نئے پیدا ہونے والے مسائل کے لئے ضرورت کے مطابق ان احکام سے جواب تلاش کیا لیکن تلاش اسی لفظ سے کیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہیں باہر سے کوئی نئی چیز نہ اس میں آ سکتی ہے نہ اس سے کوئی چیز گھٹائی جا سکتی ہے"۔

ماخوذ از "اکرم التفاسیر"

طریقہ ذکر

امیر محمد اکرم اعوان

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ:- ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کیلئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

اخلاقِ حسنہ اور حسنِ عمل

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 28-07-2008

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیمo

وَانکَ لعلی خلقٍ عظیمo (القلم آیت ۴)

اللھم سبحٰنک لا علملناَ الا ما علمتنا

اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِّم دَائِماً اَبداً

عَلٰی حَبِیبکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

آپ ﷺ کی صفات عالیہ میں سے ایک نہایت عظیم الشان صفت کے بارے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کی عظیم بلندی پر ہیں جس میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔

اخلاقیات دین کی بنیاد ہیں اور نبی کریم ﷺ کے کمالات میں سے ہیں۔ بے شمار ذاتی' انفرادی اور قومی مسائل حسن اخلاق کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے بڑے بڑے مسائل محض حسن اخلاق سے حل ہو جاتے ہیں لہٰذا عملی زندگی میں اپنے افکار واعمال میں جتنا خیال معاملات میں اتباع شریعت کا رکھا جانا ضروری ہے اتنا ہی خیال حسن اخلاق کا رکھنا بھی لازمی ہے جس کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہوتی ہے۔ ہمارے عبادت گزار طبقے کے ساتھ تو ایک خاص لفظ مناسبت رکھتا ہے ''زاہد خشک'' یعنی جو لوگ عبادت گزار ہیں ان میں خشک مزاجی آجاتی ہے اور خشک مزاجی خوش اخلاقی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی دو میں سے ایک ہی چیز رہتی ہے جبکہ خوش مزاجی اور حسن اخلاق کا ہونا مومن کی صفت ہے اور انتہائی ضروری ہے جب کسی سے ملیں تو اس میں خوش خلقی کا رویہ ہو۔ چھوٹا بڑے کو پہلے سلام کرے۔ کسی سے کوئی چیز لیں یا بات کریں تو اس کا وقت لینے کا شکریہ ادا کریں۔ بات کہنے اور سننے میں اخلاقی حدود کا خیال رکھیں لین دین کرتے وقت خوشدلی کا مظاہرہ کریں۔ اجتماعات کے مواقع پر دوسروں کو پریشان نہ کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے جبکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ دوسروں کے بستر پر اپنی چیزیں رکھ دی جاتی ہیں سب کے جوتے ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں ایک شخص اپنا جوتا پہنتا ہے اور دوسروں کے جوتے ڈسٹرب کر جاتا ہے۔ وہ جب مسجد سے نکلتے ہیں تو جوتے کا ایک پاؤں ادھر پڑا ہوا ملتا ہے دوسرا دوسرے سرے پر اوندھا پڑا ملتا ہے۔ یہ بظاہر معمولی باتیں ہیں لیکن ان کا خیال رکھا جائے تو بہت سے لوگ تکلیف سے بچ جاتے ہیں بظاہر یہ معمولی باتیں ہیں لیکن نتیجے اور اثر کے اعتبار سے بہت بڑی ہیں۔ لہٰذا جتنی توجہ ذکر اذکار' عبادات' نوافل' تلاوت پر دی جاتی ہے اس سے زیادہ توجہ حسنِ اخلاق کو حاصل ہونی چاہیے کہ حسن اخلاق عبادات کا حاصل ہے سورۃ العنکبوت آیت ۴۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر اللہ کی عبادت بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے بندہ جب بُرائی سے رکتا ہے تو اسے حسن عمل نصیب ہو جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں عبادات کے نتیجے کو ایک غلط تصور دے دیا گیا ہے کہ عبادات کا اجر وثواب آخرت میں ملے گا۔ حالانکہ آخرت کا اجر تو اللہ کا محض انعام ہے۔ اس لئے کہ انسان دنیا میں اللہ کی

اتنی نعمتیں استعمال کرتا ہے کہ اسکی ساری عبادات کسی ایک نعمت کے پاسنگ نہیں ہوتیں زندگی بھر کوئی صرف عبادت ہی کرتا رہے اور اسکی زندگی صدیوں پر محیط ہو تو جو کچھ وہ اللہ سے نعمتیں لے چکا ہے اس کا شکر ہی ادا نہیں ہو سکتا تو اس پر مزید اجر کیسا؟ عبادات کا نتیجہ ہی ان کا ثواب ہے جو ایک حصہ اسی دنیا میں ملتا ہے اور اس پر اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے جس سے آخرت میں ثواب انعام باری کے طور پر ملتا ہے۔ عبادات کا فوری نتیجہ یا ثواب حسن عمل کی توفیق ہونا ہے۔ عبادت سے ذکر اذکار سے حسن عمل پیدا ہوتا ہے اللہ کریم کو حسن عمل پسند ہے بتقاضائے بشریت جو غلطیاں ہو جاتی ہیں تو اس کی رحمت و مغفرت بندے کے شامل حال ہوتی ہے اسے توفیق اصلاح نصیب ہو جاتی ہے اور آخرت کا سارا اجر محض انعام ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہ ہوگا یعنی جو بندہ بھی نجات حاصل کرے گا محض اللہ کی رحمت سے حاصل کرے گا کوئی بندہ بھی بغیر رحمت الٰہی کے نجات نہ پائے گا اور اس میں کوئی استثنیٰ نہیں۔ اس پر حبیبہ حبیب کبریا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی کیا آپ ﷺ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔ انہوںؓ نے عرض کی حضور ﷺ آپ تو شافع محشر ہیں خلق خدا آپ کی شفاعت کی امیدوار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے شافع محشر بنایا کیا یہ اللہ کی رحمت نہیں یہ بھی تو اسی کی رحمت اسی کی عطا اسی کی مہربانی اور اسی کا کرم ہے۔

ہمیں تو عبادت کا ادھورا تصور دیا گیا ہے اور اس کی درمیانی کڑی غائب ہے۔ قرآن حکیم نے یہ ترتیب بتائی ہے۔ عبادت کرو عبادت سے حسن عمل نصیب ہوگا۔ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر. اللہ کی عبادت بُرائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے اگر ہم بُرائی یا بے حیائی کی فہرست بنائیں کہ کون سے امور اس زمرے میں آتے ہیں تو دنیا میں سب سے بڑی بُرائی کیا ہوگی؟ تو میری رائے کے مطابق مسلمان کے لئے نبی کریم ﷺ کی پسند کے خلاف سوچنا بھی بے حیائی اور بُرائی ہے۔ حضور ﷺ کی منشاء کے خلاف عمل کرنا شاہد فقہی ترتیب میں صغیرہ گناہ کہلائے اُسے جب محبت کے میزان پر تولا جائے تو وہی بات جو حضور ﷺ کا کلمہ بھی پڑھتا ہو، توحید، رسالت، آخرت پر یقین بھی رکھتا ہو پھر حضور ﷺ کی منشاء کے خلاف بھی کرے یہ کیسے ممکن ہے؟۔

صحابہ کرام کا تیئس سالہ عہد نبوت میں کیا طرز عمل رہا۔ صحابہ تیئس برس حضور ﷺ کے رخ انور کو دیکھتے رہے کسی چیز کے بارے رخ انور رسول ﷺ پر ذرا سی ناگواری آئی اور حضور ﷺ نے ابھی اس بارے ارشاد بھی نہیں فرمایا لیکن انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ منشاء نبوی کے خلاف ہے تو پھر فی الفور اس کا تدارک کیا اور زندگی بھر کبھی وہ بات نہیں دہرائی۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ مسجد میں آئے اور انہوں نے ایک شوخ رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی آپ ﷺ نے اسے انکے اوڑھنے کے لئے پسند نہیں فرمایا انہوں نے اسی وقت اسے اُتار دیا گھر گئے تو تنور گرم تھا اس میں وہ چادر پھینک دی۔ چند دن بعد حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ چادر کہاں گئی عرض کیا کہ جلا دی گئی آپ ﷺ نے فرمایا اسے کسی خاتون کو دے دیتے کہ ان کے کام آ جاتی مردوں کے لئے وہ مناسب نہیں تھی۔ صحابیؓ نے سادہ سا جواب دیا حضور ﷺ جو چیز آپ کو پسند نہ آئے وہ دنیا میں کیوں رہے۔

اخلاقیات دین کا وہ شعبہ ہے جس کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور جس چیز کو جس رویے کو جس طرز عمل کو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے وہ حسن اخلاق ہے لہذا آپ ﷺ کی پسند کا خیال رکھنا خود عبادت ہے تو ان امور کو ملحوظ رکھنا کہ بات کس طرح کرنی ہے؟ کس طرح ملنا جلنا ہے؟ ملنے کے اوقات کیا ہیں؟ دوسروں کے آرام کو انکے کام کے اوقات کو ملحوظ رکھنا خود نیکی ہے۔ ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے

کہ ایک شخص سو رہا ہے دوسرا اسے جگا کر پوچھتا ہے آپ سو رہے تھے؟ یہ بظاہر معمولی بات ہے لیکن دوسرے کے ساتھ زیادتی ہے۔ بعض اوقات ہم ایسا مذاق کرتے ہیں کہ اگلے کی توہین ہوتی ہے۔ مذاق کی بھی حدود متعین ہیں کہ مزاح وہ جائز ہے جس میں نہ تو کسی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو نہ کسی کی دل آزاری ہو۔ مزاح یا مذاق تو خوش طبعی کا اظہار ہے جس سے مذاق کرنے والا خود تو خوش ہو اور دوسرے کی دل آزاری ہو وہ جائز نہیں۔ ان تمام امور میں یہ خیال رکھنا کہ کون سی بات حضورﷺ کے منشاء کے خلاف ہے اس سے بچنا ہی حسن اخلاق کے ضمن میں آنے والی بات ہے اور گناہوں سے بچنے کا سلیقہ ہی یہ ہے کہ چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر اپنی ذات کی گرفت کرے خود کو آزادی گناہ نہ دے۔ انسانی مزاج ہے کہ بندہ اپنے لئے جواز تلاش کر لیتا ہے لوگ کسی کا پیسہ کھا جائیں گے اور کہیں گے اللہ بڑا غفور رحیم ہے معاف کرنے والا ہے بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے لیکن اللہ حساب لینے والا بھی ہے۔ آپ نے کیا اللہ کو نعوذ باللہ حکومت پاکستان سمجھ لیا ہے کہ بڑے بڑوں کو قرضے اندھا دھند معاف کر دے اور جیلوں میں غریب چند ہزار پر جکڑے پڑے رہیں اللہ اس طرح معاف نہیں کرے گا۔ لہذا خود کو جانچیئے حضورﷺ کے طور اطوار اپنانے میں ہی دنیا کا سکھ ہے اور آخرت کی کامیابی۔

آج دنیا میں کون ہے جو پریشان نہیں ہے میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کوئی ایسا ہے جسے زندگی سے، حالات سے، زمانے سے شکایات نہ ہوں لیکن ہم اس کی اگر بنیادی وجہ تلاش کریں کہ ہمیں یہ شکایتیں کیوں ہیں تو بڑا واضح جواب ہے کہ ہم نے حضور نبی کریمﷺ کے طور اطوار طریقے وسلیقے چھوڑ دیے ہیں اور اس کا علاج بھی ایک ہی ہے۔ کسی انگریزی چینل پر ایک شخص کسی پروگرام میں اپنی پریشانیوں کا اظہار کر رہا تھا کہ آج کل یہ مسئلہ ہے وہ مسئلہ ہے اور مسائل کا انبار ہے جس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں پاس ہی ایک چھ سال کی بچی کھڑی تھی اس نے اپنے طور پر اسے ایک حل دیا اس نے کہا

It is very simple.Be like muhammad, then there will be no problem.

اس بچی نے وہ جملہ کہہ دیا کہ شاید آج کا بڑے سے بڑا دانشور بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اس نے کہا تم نبی کریمﷺ کی طرح ہو جاؤ پھر کوئی پریشانی نہیں رہے گی۔ لیکن آج کے مسلمان کا رویہ دیکھیں کل رات مجھے ای میل پر کسی نے لکھا کہ وہ بہت عبادت کرتا ہے بہت مجاہدہ کرتا ہے اور پھر بھی اسے بہت پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے اسے لگتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہی نہیں اور اللہ اس کی سنتا ہی نہیں میں نے اسے دو سطروں کا جواب لکھا ہے کہ آپ نے دعا کو سمجھا ہی نہیں۔ دعا حکم نہیں ہوتی کہ بندہ اللہ کو حکم دے رہا ہے کہ ایسا کر دو کیا آپ ایسا سوچ سکتے ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یاد رکھیں دعا اللہ کریم سے بات کرنے کا ایک بہانہ ہے بندے کو اللہ کریم سے بات کرنا نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور بندہ اللہ سے بار بار دعا کرے بار بار مانگے بار بار بات کرے وہ اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے اپنے چھوٹے چھوٹے دکھ بیان کر رہا ہے اور اسے اللہ کریم کی طرف سے رحمت آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ میں تو اس کا بندہ ہوں وہ میرا رحمان ورحیم مالک ہے تو بندے کو پتہ چل جاتا ہے کہ کام کرنے کا شاید اس نے صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا تھا جس کا نتیجہ پریشان نکلا اور اگر اس نے اپنے حصے کا کام درست کر لیا ہے اور پھر بھی دنیاوی مسائل ہیں تو پھر بھی وہ اللہ سے دعا کرتا رہتا ہے کہ فیصلے تو اُسی نے کرنے ہیں جو تکلیف اس پر آئی ہے اسے وہ رحمان وکریم جانتا ہے اسی نے بھیجی ہے وہی حل بھی کرے گا بندے نے تو صبر کرنا ہے اور اللہ سے مدد مانگنا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کے آخری مرض میں شدت آ چکی تھی کسی

نے کہا طبیب کو بلوایئے انہوں نے فرمایا طبیب نے تو خود بیمار کیا ہے وہی تو صحت دینے والا ہے اسی نے مرض بھیجا ہے۔

میں نے اس شخص کو لکھا ہے کہ آپ کو دعا کے مفہوم میں مغالطہ ہو رہا ہے اور آپ اپنی عبادت کو غلط معنی پہنا رہے ہیں عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ شب بھر عبادت کرتے رہے اور صبح اُٹھ کر حکم جاری کر دیا کہ میری یہ دعا پوری ہونی چاہیے اور اب اللہ پابند ہے کہ آپ کی ہدایت پر عمل کرے۔ (معاذ اللہ) اس طرح تو آپ نے اللہ کی عبادت نہیں کی اللہ کو اپنا ماتحت بنانے کی کوشش کی ہے!۔

دعا کے بارے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **الدعا مخ العبادہ** او کما قال رسول اللہ ﷺ۔ دعا تو تمام عبادتوں کا مغز اور حاصل ہے اور عبادت کیا ہے اللہ کی کبریائی کو تسلیم کرنا اور اپنی عاجزی کا اظہار اور دعا تو عبادت کا حاصل ہے کہ بندہ ساری ضرورتیں اور حاجتیں اللہ کریم کے سامنے پیش کرے اور یہ یقین رکھے کہ وہ اتنا کریم ہے کہ بندہ اپنا بھلا اتنا نہیں جانتا جتنا اللہ کریم جانتے ہیں ان کے فیصلے بندے کے حق میں بہترین اور رحمت والے ہوتے ہیں اگرچہ بندے کو بظاہر وہ کتنے ہی دشوار گزار محسوس ہوتے ہوں بندہ ایسے کام کر جاتا ہے جو اس کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں لیکن اللہ کریم جو کرتا ہے اس میں بندے کی بہتری ہوتی ہے اور جو کام بندہ حضور ﷺ کے طور طریقے سے ہٹ کر کرتا ہے اس میں پریشانی کا آنا لازمی ہے اس کی اصلاح کرنا ہی پریشانی کا علاج ہے۔

کیا وجہ ہے کہ بندہ اپنے جیسے کمزور بندے سے بات کر لیتا ہے اپنے دکھ بیان کر لیتا ہے تو اسکی پریشانی آدھی ہو جاتی ہے اور جب وہ اللہ سے دعا کرتا ہے اللہ سے بات کر لیتا ہے تو اسکی پریشانی نہیں ہٹتی۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ بندے نے اللہ کی عظمت کو اسکی بڑائی اور اپنی عاجزی کو مدنظر نہیں رکھا۔ سو تکلیف آ جائے تو ضرور اللہ سے کہیں اس سے بیان کریں اس سے دعا کریں یا اللہ میں کمزور ہوں مجھے آزمائش ابتلا سے محفوظ رکھ مجھ سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں مجھے معاف فرما اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرما اور اللہ سے جب بات کر لیں تو پھر ہر آنے جانے والے کو قصے نہ سناتے پھریں کہ مجھے یہ ہو گیا وہ ہو گیا اور اللہ سے بات کرنے کے بعد اسکی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

اپنے اٹھنے بیٹھنے، میل ملاقات، اوقات کی تقسیم سب میں نبی کریم ﷺ کے انداز اور طریقے سلیقے کو داخل کریں۔ چھوٹے بڑے کا لحاظ رکھیں کس سے کس طرح بات کرنی ہے کہ بات کہہ بھی دی جائے اور اخلاق کا پہلو بھی قائم رہے۔ بات سلیقے سے کی جائے تو طبیعت پر بوجھ نہیں پڑتا۔ بندے کو خود ان حدود و قیود کی پاسداری کرنا چاہیے اور اساتذہ کا ایسے لوگوں کا تو یہ کام ہے دوسروں کی اخلاق نبوی ﷺ کے مطابق تربیت کرنا ان کے ذمے ہے وہ جب سرزنش کرتے ہیں تنبیہ کرتے ہیں تو انہیں سخت مزاج کہا جاتا ہے یہ سخت مزاجی نہیں اساتذہ کی ذمہ داری ہے وہ جب کسی پر گرفت کرتے ہیں تو اس میں انہیں اپنی بڑائی مقصود نہیں ہوتی یا دوسرے کو ہلکا کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصلاح ہوتی رہے تربیت ہوتی رہے۔

حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ سے تربیت پانے کے لئے ضروری ہے کہ تلاوت قرآن حکیم کو روزانہ کا معمول بنایا جائے اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا جائے روزانہ سیرت پاک سے ایک بات یا دو باتیں روزانہ پڑھی جائیں۔ سیرت پاک کے روزانہ مطالعے سے نبی کریم ﷺ سے ربط اور تعلق رہتا ہے اور ربط ہی برکات کے حصول کا سبب بنتا ہے۔

اللہ کریم ہماری خطائیں معاف فرمائیں اپنا اچھا اور نیک بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنے حبیب ﷺ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے ایمان پر موت دے اور ایمان داروں کے ساتھ حشر فرمائے۔ ......☆☆☆......

قربِ الٰہی کے حصول کا طریقہ

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 19-09-2008

الحمدللّٰہ رب العلمین○

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین○

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم○

قُل ان کنتُم تحبونَ اللّٰہ فاتبعونی یحببکُم اللّٰہُ ویغفرلکُم

ذنوبکُم○ (ال عمران آیت ۳۱)

اللھم سبحنک لا علملناَ الا ما علمتنا

اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِم دَائماً ابداً

عَلیٰ حَبیبکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

ایک ساتھی نے بہت اچھا سوال کیا کہ قربِ الٰہی کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟۔

جس بندے کو بھی ایمان نصیب ہے اس کے دل میں یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا۔اس کا نہایت مختصر اور جامع جواب قرآن حکیم نے یہ دیا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ لوگوں کو بتادیجیے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی. کہ اگر تمہاری طبیعت سلیم ہے تمہارا مزاج انسانی فطرت پر قائم ہے اور تم میں یہ خوبصورت طلب موجود ہے کہ تم اپنے اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو وہ اللہ جو تمہارا خالق مالک ہے تمہارا پروردگار ہے تمہارا رب کریم ہے جو ہر آن تمہاری پرورش کر رہا ہے تمہاری تربیت کر رہا ہے اور تمہیں بے حد و بے شمار نعمتیں عطا کیے ہوئے ہے جس کے بارے میں وہ خود کہتا ہے وان تعدوا نعمتہ اللّٰہ لا تحصوھا (النحل ۱۸)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو گن نہیں سکو گے اپنے بدن کی نعمتوں کو ہی شمار کرنا چاہو تو ممکن نہ ہوگا اس نے تمہیں حیات انسانی عطا کی، سمع وبصارت سے نوازا، ذہن کو قوت عطا کی سوچنے اور بولنے کی قوت دی اور دل دیا۔ دماغ مادی وجود کیلئے راحت و آرام اور فائدے سوچتا ہے دل روحانیت سے بھرپور اور قرب الٰہی کا متلاشی ہوتا ہے تو لوگو! اگر تمہارے دل میں یہ احساس زندہ ہو جائے کہ تمہیں اللہ کا قرب نصیب ہو تو پھر اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ فاتبعونی ۔ میرے رسول ﷺ انہیں کہہ دیجیے کہ پھر میرا اتباع اختیار کرلو۔ میری پیروی کرلو بلاچون وچرا اطاعت کرلو اور اگر تم میرا اتباع اختیار کرلو گے تو یحببکم اللّٰہ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے یعنی طالب سے مطلوب بن جاؤ گے عاشق سے معشوق بن جاؤ گے کہاں یہ مقام تھا کہ تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو اور کہاں یہ مقام کہ اللہ کریم تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے؟

انسان تو خطا کا پُتلا ہے کمزوری سے غلطی ہوجاتی ہے۔ بندہ یہاں پہنچ کر سوچتا ہے کہ اسکی زندگی تو خطاؤں سے پُر رہی ہے اُسے تو بہت دیر بعد خیال آیا کہ اس سے بہت سے گناہ سرزد ہو چکے ہیں تو اس کے لئے اپنے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا کہ میرے بندوں کو بتادیجئے اگر یہ

آپ ﷺ کے اتباع میں آتے ہیں تو یغفر لکم ذنوبکم انہیں کہہ دیجئے کہ تمہارے گناہ اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ غفور ہے وہ رحیم ہے وہ تمہارے سب گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ بندے کے لئے سب سے آخری مقام اور سب سے اعلیٰ منزل یہ ہے کہ وہ اللہ کو محبوب ہو جائے۔

انسان نے قرب الٰہی اسی دنیا میں رہ کر حاصل کرنا ہے دنیا سے کٹ کر نہیں قرب الٰہی کی طلب روح کا خاصہ ہے لیکن اسکی تکمیل مادی دنیا میں رہ کر بدن کی محنت کو شامل کر کے بدن کے ذریعے ہوتی ہے اور دار دنیا میں روح بدن کے تابع ہے۔ مکلف بالذات بدن ہے اور بدن کے پاس براہ راست سوچنے کے لئے مادی دماغ ہے دنیا ذہنی قوت کے ذریعے مادی وجود کے لئے مادی وسائل از خود تلاش کر سکتا ہے لیکن مادے سے آگے دماغ کی رسائی نہیں اسی لئے دیکھا جا سکتا ہے کہ مادی ایجادات اور وسائل و ذرائع تلاش کرنے میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی بہت اچھا کام کرتے ہیں بدن کی ضروریات اچھے طریقے سے پوری کر لیتے ہیں اس کے تحفظ کا بہتر سامان تیار کر لیتے ہیں علاج معالجے کے لئے بہتر دوائیں بنا لیتے ہیں اور ذہن کو براہ راست استعمال کر لیتے ہیں کہ اللہ نے دار دنیا میں بدن کو براہ راست کام کرنے کی قوت عطا کی ہے یعنی بدن مکلف بالذات ہے اور دنیا میں روح مکلف بالذات نہیں بدن کے تابع ہے یعنی روح براہ راست عمل نہیں کرتی بدن کے ذریعے کرواتی ہے اس لئے روح میں اتنی قوت کا ہونا ضروری ہے کہ اللہ نے روح کی گہرائی میں قبول حق کی جو استعداد ہر ایک کو ودیعت کی ہے اس میں وہ شدت آئے کہ اسے اللہ کی طلب پر مجبور کر دے اس کے لئے نور ایمان چاہیے وہ قوت ایمانی چاہیے جس میں ذرہ بھر شبہ نہ ہو۔ خالص یقین ہو اور ہر طرف یقین ہی یقین ہو۔ وہی یقین و اعتماد جب اللہ کے رسول ﷺ پر ہوتا ہے تو بندہ ذاتی طور پر کبھی بھی اللہ کے نبی ﷺ کا دامن چھوڑنے کا سوچ نہیں سکتا۔ گویا ایمان نام ہے نبی اکرم ﷺ پر کامل اعتماد اور ایمان ہو تو وہ عمل کا تقاضا کرتا ہے ایمان کے ساتھ عمل ضرورت بن جاتا ہے اسی لئے اکثر آئمہ نے ایمان پر عمل کرنے کو ایمان کہا ہے اور اگر کوئی عمل نہیں کرتا تو اس کا ایمان قابل اعتبار نہیں اس دار دنیا میں ہماری مادی ضروریات ہیں، مادی رشتے ہیں، مادی تعلقات ہیں۔ ان امور کی تکمیل میں ہم اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ اطاعت الٰہی ثانوی حیثیت میں یعنی دوسرے درجے میں چلی جاتی ہے۔ جیسے ہمارے معاشرے میں یہ ایک عام مثال ہے کہ اذان ہو جائے تو دکاندار یہ سوچ کر نماز میں تاخیر کرتا رہتا ہے کہ پہلے یہ گاہک بھگتا لوں، وہ گاہک بھی بھگتا لوں اس لئے کہ مادی آمدن ہو رہی ہوتی ہے اور مادی ضرورت کی تکمیل ہوتی نظر آتی ہے اسی تاخیر میں جماعت نکل جاتی ہے اور بالآخر نماز بھی فوت ہو جاتی ہے۔

چونکہ بدن براہ راست مکلف ہے اس لئے اولیت مادی مصروفیات کو دی جاتی ہے۔ روح بدن کے تابع ہے اور اس کا تقاضا قرب الٰہی کا حصول ہے اس تقاضے کے پورا کرنے کے لئے روح میں، روحانیت میں اتنی قوت آجائے کہ وہ مادی اور فوری نتائج سے بالاتر ہو کر روحانی لذات سے سرشار ہو کر قرب الٰہی کے حصول کے لئے مادی رکاوٹوں کو عبور کر سکے اس قوت کے حصول کے لئے جو نسخہ قرآن حکیم نے تجویز کیا وہ یہ ہے الذین یذکرون اللہ قیاما وقعوداً وعلیٰ جنوبھم و یتفکرون فی خلق السمٰوت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار (ال عمران 191) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اللہ کو

یاد رکھتے ہیں کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں یا اپنی کروٹوں پر ہوں ہر حال میں یاد الٰہی ان کے دل میں موجود رہتی ہے انہیں عظمت الٰہی کا استحضار رہتا ہے۔ ذکر الٰہی کی بدولت انہیں تفکر نصیب ہوتا ہے دماغ کا تفکر تو مادی ضروریات کو محیط رہتا ہے انہی ضروریات کی تکمیل میں الجھا رہتا ہے لیکن جو تفکر ذکر الٰہی سے پیدا ہوتا ہے وہ ساری کائنات کو محیط ہوتا ہے اور بندہ یہ سوچتا ہے کہ اس کے مالک نے یہ آسمان و زمین یہ کائنات اور نظام کائنات بے جا پیدا نہیں فرمایا کوئی چیز بے نتیجہ نہیں ہے کچھ بھی عبث پیدا نہیں فرمایا پھر وہ دل و جان سے پکار اٹھتا ہے اے اللہ تیری ذات پاک ہے بلند ہے تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ تفکر ذکر الٰہی سے نصیب ہوتا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنی نشست و برخاست کی ہر حالت میں ذکر کرتے رہتے ہیں تو ایسا ذکر جو انسان ہر حالت میں کر سکے کھڑا ہو تو کرے بیٹھا یا لیٹا ہو تو کرے سو جائے تو ذکر ہوتا رہے ہوش میں ہو یا بے ہوش ہو جائے تو ذکر جاری رہے یہ ذکر صرف ذکر قلبی سے ممکن ہے اس کے علاوہ ممکن نہیں۔

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ قلوب کیسے ذاکر ہوں؟ قلوب ذاکر ہوتے ہیں برکات نبوی ﷺ سے۔ صحابہ کرامؓ کو برکات نبوی ﷺ صحبت رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوئیں اور انہیں شرف صحابیت پر فائز کر گئیں۔

فیوضات نبوت دو طرح سے ہیں یعنی نبی علیہ السلام سے جو فیض نصیب ہوتا ہے اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک شریعت مطہرہ کا علم امور دنیا انجام دینے کا علم، حلال و حرام، جائز و ناجائز کا علم کاروبار زندگی کے تمام شعبوں تجارت و معیشت، حکومت و حکمرانی، اخلاقیات و معاشرت، حقوق و فرائض کا علم یہ سب باتیں تعلیمات نبوت کہلاتی ہیں انہی تعلیمات کو مشعل راہ بنا کر ہر فرد شریعت کے مطابق زندگی گزار سکتا ہے وہ خواہ ایک مزدور ہے یا چرواہا تاجر ہے یا ملازم حاکم ہے یا عوام جرنیل ہے یا سپاہی ہر ایک کے لئے ہر شعبہ زندگی میں نقش کف پائے رسول ﷺ موجود ہیں عام آدمی سے لیکر حکمران تک سب کے لئے حضور ﷺ نے ایک راستہ متعین کر دیا ہے جو بھی اس کے مطابق چلے گا وہی اتباع رسالت اور اس کے نتائج سے فیض یاب ہوگا۔

فیوضات نبوت کا دوسرا شعبہ ہے برکات نبوت۔ برکات کیا ہیں یہ وہ انوارات نبوت ہیں جنہوں نے صحابہؓ کو صحابیؓ بنا دیا۔ صحابہؓ کے پاس یہی تعلیمات نبوی تھیں یہی قرآن تھا جو آج ہمارے پاس موجود ہے یہ تیئس برسوں میں حضور اکرم ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور صحابہؓ کو پورا قرآن یوں نصیب ہوا لیکن جو آیت کریمہ نازل ہوتی گئیں اس پر صحابہؓ اس طرح عمل کرتے گئے کہ انہوں نے عمل کرنے کا حق ادا کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہؓ نے فیوضات نبویؐ کے دونوں شعبوں کو بیک وقت قبول کیا۔ اس لئے کہ تعلیمات نبوت صرف معلومات نہیں ہوتیں ان کے ساتھ کیفیات بھی ہوتی ہیں۔ آج ہمیں استاد پڑھاتا ہے ہم شریعت کے احکام سن لیتے ہیں پڑھ لیتے ہیں یاد کر لیتے ہیں سمجھ بھی لیتے ہیں لیکن وہ ہمیں ایسی کوئی کیفیت نہیں دیتا کہ جو بات بتائی گئی ہے اس پر خلوص کے ساتھ محض رضائے باری تعالیٰ کے لئے عمل بھی کر سکیں ہم ان احکام کو یاد کر لیتے ہیں کہ کمرہ امتحان میں اس پر جو سوال آئے گا وہ لکھیں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اپنے علم پر عمل بھی نصیب ہو ایسا عمل جو اخلاص پر مبنی ہو یہ ضروری نہیں جیسے جو لوگ ڈاکٹری کا علم پڑھتے سیکھتے ہیں وہ خود عملی زندگی میں ان

باتوں پر عمل نہیں کرتے جو پڑھتے ہیں اور خود مختلف امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ وہ معلم ہیں کہ جسے جو سکھاتے ہیں اور جو اُن پر ایمان لاتا ہے اسے ایک خاص کیفیت بھی عطا کرتے ہیں کہ اس کیلئے حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا نہ صرف آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا عمل کرنا اس کے لئے دشوار ہو جاتا ہے یہی وہ چیز ہے جس نے صحابہ ؓ کو ممتاز کر دیا ورنہ نمازیں وہ بھی یہی پڑھتے تھے جو ہم پڑھتے ہیں' روزی وہ بھی معروف طریقے سے کماتے تھے' بیمار بھی ہوتے تھے' صحت یاب بھی' تمام انسانی ضروریات اُن کے ساتھ تھیں لیکن انہیں وہ کیفیات نصیب ہوئیں کہ قرآن حکیم ان کے بارے فرماتا ہے **ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ** (الزمر آیت ۳۹) کہ کھال سے نہاں خانہ دل تک ان کے وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو گیا۔

آج کی تاریخ کے مطابق سائنسدان کہتے ہیں کہ عموماً ایک آدمی کے وجود میں چھ کھرب (Cell) ہوتے ہیں یعنی ایک انسانی وجود کے ذرات کی تعداد تقریباً چھ کھرب ہے تو کھال سے نہاں خانہ دل تک اگر وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ایک بار پورا وجود اللہ کہے تو چھ کھرب ذرات بدن اللہ کا نام لیتے ہیں۔ کسی انسان کا وجود ایک لمحے میں کئی بار اللہ کا نام لے اور ہر بار چھ کھرب مرتبہ اللہ اللہ کہے تو اندازہ کر لیجیے کہ ذکر قلبی کی کیا قوت ہونی چاہیے اور اس کے انسان کی عملی زندگی پر کیا اثرات ہونے چاہیں!۔

اس کے اثرات وہ ہیں جو صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں سے آشکارا ہیں صحابہ کرام کا ہر کام نبی کریم ﷺ کے اتباع کی دلیل بن گیا صحابہ کرام اس کے بغیر کچھ نہیں کرتے باتیں کریں یا خاموش رہیں تعلقات بنائیں یا ختم کریں، کاروبار کریں یا تجارت، سیاست کریں یا حکومت ہر شعبہ زندگی میں اُن کا عمل اتباع رسالت ﷺ کا پیکر بن جاتا ہے۔

آج ہمارے پاس قرآن موجود ہے ارشادات عالیہ اور سیرۃ پاک کا ذخیرہ موجود ہے فقہ کی صورت میں تمام احکامات ضروریہ کا علم موجود ہے تمام دینی علوم یکجا صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں لیکن ان سب کے باوجود ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہمارا کردار کیا ہے؟ کہنے کو ہم مسلمان ہیں جبکہ مسلمان ہونا بہترین انسان ہونے کے مترادف ہے۔ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ہم مسلمانوں جیسے اعمال نہیں کرتے ہمارے قول و فعل میں تضاد ہے' ہم چند سکوں کے عوض بک جاتے ہیں چند موہوم امیدوں پہ بک جاتے ہیں شرم و حیاء رخصت ہو چکی ہے۔ بہنوں اور بیٹیوں کو رقص کروا کر تالیاں بجاتے ہیں بچیوں کو گانے بجانے کی تربیت دلواتے ہیں اُن سے سر محفل گانے سن کر فخر کرتے ہیں۔ پہلے یہ کام ریڈیو ٹیلی وژن کا مرہون منت تھا اب ہر موبائل فون میں یہ سہولت موجود ہے اب ٹیلی فون پر براہ راست گانے سنے جاتے ہیں۔ اشتہاروں میں فحاشی و عریانی اتنی عام ہے کہ جو نہیں چاہتے انہیں بھی سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ حیا نام کی کوئی چیز موجود نہیں رہی شہروں اور بازاروں میں ہماری بہوئیں بیٹیاں مائیں اور بہنیں لباس کے نام پر بے لباس گھومتی ہیں۔ دھوکہ دینے کو ہم سیاست کہتے ہیں۔

یہ سب چیزیں ہم میں کیسے آ گئیں جبکہ قرآن اور دین کی جتنی تبلیغ آج ہو رہی ہے اس سے پہلے ممکن ہی نہ تھی۔ اخبار کے مضامین' رسالے' ٹی وی نشریات سب پر دینی گفتگو ہوتی ہے علماء دینی معلومات دیتے ہیں دینی مسائل زیر بحث رہتے ہیں کہیں نعت خوانی کا اہتمام ہے کہیں تلاوت و قرآت کا اور جتنی تبلیغ آج ہو رہی ہے

آج سے پہلے نہیں ہوتی تھی لیکن کیا بات ہے کہ پہلے لوگوں میں عمل زیادہ تھا باتیں کم تھیں آج باتیں زیادہ ہیں اور عمل مفقود تو تلاش کرنا چاہیے کہ اس کا سبب کیا ہے؟

ٹی وی کے ایک پروگرام کے توسط سے مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ قرب الٰہی کیسے پایا جائے؟ اچھا ہوا کہ اسکا جواب اس پروگرام کی نشریات کے ذریعے جہاں جہاں تک ممکن تھا پہنچ گیا اور لوگ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ دین برحق کا کون سا شعبہ ہے جو آج ترک کر دیا گیا ہے؟ کون سی کڑی ہے جو آج بکھر چکی ہے؟ کون سا عمل ہے جو آج چھوٹ چکا ہے؟

آپ بھی سوچیئے! لیکن جہاں تک میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ ہم سے ذکر الٰہی کی نعمت عملاً چھوٹ چکی ہے وہ ذکر قرآن حکیم جس کا مطالبہ کرتا ہے وہ ذکر جسے قرآن کریم ہر عمل کے ساتھ جوڑتا ہے وہ ذکر جسے قرآن ہر کام سے زیادہ ضروری کہتا ہے جسے ہر عمل میں اولیت دیتا ہے جسے کثرت سے کرنے کا حکم دیتا ہے جو عین جہاد میں کرنے کا حکم دیتا ہے وہ ذکر جو عمل میں اخلاص لاتا ہے جو بندے کو اللہ کے حضور حاضر رہنے کا احساس دیتا ہے وہ جو انسان کی عملی زندگی میں اتباع رسول ﷺ کی مہر لگاتا ہے وہ یاد الٰہی جس نے صحابہ کرام کو صحابیت سے سرفراز کر دیا یہ صحبت نبوی ﷺ کا فیضان ہے جس سے قلوب ذاکر ہوتے ہیں۔

یوں تو ہر وہ عمل جو شریعت مطہرہ کے مطابق کیا جائے وہ عملی ذکر ہے اور اعمال میں سے بہترین عمل صلوۃ ہے ہم صلوۃ میں اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہوتے ہیں تو ساری دنیا سے کٹ جاتے ہیں۔ تکبیر اولیٰ بندے کو ساری دنیا سے کاٹ کر اللہ کے سامنے کھڑا کر دیتی ہے۔ ہم ساری دنیا کو چھوڑ کر صرف اللہ کریم سے اپنی معروضات پیش کرنے لگ جاتے ہیں اللہ کی حمد و ثناء کرتے ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اپنی حاجات پیش کرتے ہیں رکوع اور سجدے کرتے ہیں تو یہ یاد الٰہی کی بہترین صورت ہے لیکن بندہ ہر وقت رکوع و سجود تو نہیں کر سکتا اور ہر وقت حالت نماز میں نہیں رہ سکتا اس کی انسانی ضروریات ہیں جن کی اسے تکمیل کرنا ہے اور صلوۃ کے تو اوقات مقرر ہیں رکعات مقرر ہیں قرآت کی مقدار معین ہے رکوع و سجود معین ہیں یہ معین عبادات جب اختتام پذیر ہوتی ہے تو پھر کثرت سے ذکر الٰہی کیسے کریں؟ جس کا حکم سورۃ جمعہ آیت ۱۰ میں اللہ کریم یوں دیتے ہیں **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیراً.** جب نماز مکمل کر چکو تو اپنے اپنے کام کاج میں لگ جاؤ اپنی روزی تلاش کرو لیکن ایک بات یاد رکھو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو یہ نہیں کہ نماز پڑھ لی اور ذکر پورا ہو گیا۔ نہیں، نماز کی اپنی جگہ تھی رکوع و سجود کا اپنا مقام ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے **الصلوۃ معراج المومنین** کہ نماز تو مومن کی معراج ہے کہ وہ اللہ کریم سے براہ راست گزارشات پیش کرتا ہے لیکن انہی آیات میں حکم ہو رہا ہے کہ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد دنیاوی امور انجام دیتے ہوئے ذکر اللہ کثرت سے کرو۔ اسی سے جہاد بہت بڑا عمل ہے اللہ کی راہ میں حق کی حمایت اور ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جانا اور جان کا نذرانہ تک پیش کر دینا ایسا مقبول عمل ہے کہ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں مجاہدین کے گھوڑوں کے سموں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی چنگاریوں کو اتنی عظمت بخشی ہے کہ ان کی قسم کھائی ہے اور پھر مجاہدین کو ہی حکم دیتا ہے کہ جب مقابلہ آ جائے تو باطل کے مقابلے میں جم کر لڑو **فاثبتوا** اور ثابت قدم رہو **واذکروا اللہ کثیراً** اور ذکر کثیر کرتے رہو۔ یہ کون سا ذکر ہے جو عین میدان

کارزار میں ممکن ہے جب آتش وآہن کی بارش ہو رہی ہو سرتن سے جدا ہو رہے ہوں جسموں کے پرخچے اُڑ رہے ہوں اور ذکر کثیر بھی ہو رہا ہو۔

اسی طرح قرآن حکیم میں اللہ کریم نے حج کے ساتھ ذکر کو جمع فرمادیا ہے۔ تبلیغ جیسے عمل کے ساتھ ذکر کثیر کو جمع ہی نہیں فرمایا بلکہ ذکر اللہ کو اولیت دی ہے۔ قرآن کریم نے بڑی خوبصورت مثال دی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ فرعون کے پاس تشریف لے جائیں وہ حد سے بڑھ چکا ہے اور اپنے اقتدار کے زور پر گمراہی پھیلا رہا ہے اس باطل کو روکیئے تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ مجھے میرے خاندان سے تقویت عطا فرما میرا بوجھ بانٹنے والا عطا کر اور میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ کر دے واجعل لی وزیراً من اھلی ہرون اخی. (طٰہٰ ۲۹ تا ۳۰) وہ مجھ سے زیادہ وضاحت سے بات کر سکتا ہے واخی ہرون ھوا افصح منی لساناً (القصص ۳۴).

اللہ کریم نے ہارونؑ کو بھی نبوت عطا کر دی اور فرمایا آپ دونوں بھائی فرعون کے پاس جائیں کہ ان فرعون علا فی الارض. فرعون زمین پر بہت بڑی طاقت بن چکا ہے۔ وجعل اھلھا شیعاً اور اس نے اہل زمین کو فرقہ فرقہ کر کے گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے تو انہوں نے عرض کی کہ بارالٰہا وہ میرے قتل کا فیصلہ کر چکا ہے مجھے جان سے گزر جانے کا اندیشہ تو نہیں لیکن یہ فکر ضرور ہے کہ وہ آپ کا پیغام سننے سے پہلے ہی ہمارے قتل کے درپے ہو جائے گا تو ہم اپنے فرض منصبی کو کیسے پورا کریں گے؟ اللہ نے فرمایا وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ انی معکما اسمع وارٰی میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور جو کچھ وہاں ہوگا وہ میں ذاتی طور پر سن رہا ہوں اور ذاتی طور پر دیکھ رہا ہوں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ ولا تنیا فی ذکری (طٰہٰ ۴۲) میرے ذکر کو ثانوی درجے پر نہ رکھئے گا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ خطاب دو انبیاء کرام سے ہو رہا ہے۔ نبیؐ کا مقام تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود سراپا ذکر ہوتا ہے بلکہ جو اس پر ایمان لے آئے اس کے وجود کو بھی ذاکر کر دیتا ہے نبیؑ کی تو یہ شان ہے کہ جس چیز کو مس کر دے وہ ذاکر ہو جاتی ہے جس طرف نگاہ فرمادے وہ فضا روشن ہو جاتی ہے جس جگہ قدم مبارک رکھ دے وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے تو نبیؑ سے ذکر چھوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پھر یہاں کیوں تلقین کی جا رہی ہے؟

تلقین یہ کی جا رہی ہے کہ جب آپ بہت بڑے گمراہ کو دعوت الی اللہ دینے جائیں گے تو اس کے دربار کا بڑا دبدبہ ہوگا اس کے نوکر اور غلام زیورات سے آراستہ برہنہ شمشیریں لئے کھڑے ہوں گے جان کا خطرہ ہوگا تو فطری امر ہے کہ توجہ ان امور کی طرف بھی ہوگی اور یہ کوئی آسان بات نہیں کہ کسی متکبر کو جو خود کو معبود کہلواتا ہو اُسے یہ کہا جائے کہ تم معبود نہیں ہو تم انسان ہو اپنی بڑائی سے دستبردار ہو جاؤ اور معبود برحق کو مانو یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا یہ صرف انبیاء کی ہی عظمت ہے کہ وہ یہ کام کر گزرتے ہیں۔ سو اس تلقین کا مطلب یہ تھا کہ ذات باری کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ جو وجود نور نبوت سے منور ہے صرف خود سراپا ذکر ہی نہیں ذکر تقسیم فرماتا ہے برکات تقسیم فرماتا ہے ایمان لانے والوں کو انوارات و برکات تقسیم فرماتا ہے جنہیں نبیؑ کی نگاہ شفقت نصیب ہو جائے ان کے وجود کے ذرے ذرے کو ذاکر کر دیتا ہے وہ جب فرعون سے بات کرے تو ذکر الٰہی مقدم رہے۔

اللہ کریم انبیاء کرامؑ کی خود تربیت فرماتے ہیں اور یہ انبیاء ہی کا حوصلہ ہوتا ہے۔ اللہ کا نبیؑ ایک ان سلے کمبل کا کرتہ پہنے، کچے چمڑے کا جوتا

پہنچے ایک دوشاخہ لاٹھی لیکر ایک ایسے شخص کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اتنی بڑی سلطنت کا مالک اور اپنی خدائی کا دعویدار ہے اور اسے کہتے ہیں تو مخلوق ہے خالق نہیں تو الہ العالمین کا بندہ ہے خود خدا نہیں اپنی خدائی سے باز آ اور اللہ کی عظمت کا اقرار کر۔ عین یہ کام کرتے ہوئے عظمت الٰہی کو بلند کرتے ہوئے بھی اللہ کریم کو یہ گوارا نہیں کہ اس مشکل ترین لمحے میں بھی یاد الٰہی دوسرے درجے میں رہے اس لئے فرمایا یہ کام کرتے ہوئے توجہ ذکر الٰہی کی طرف رہے اولیت ذکر الٰہی کی ہو اللہ کی یاد دوسرے درجے میں نہ جائے۔

ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہماری خواہش نفس مقدم ہے' لالچ طمع' مفادات مقدم ہیں؟ کہاں ہے یاد الٰہی؟ یاد الٰہی کی صورتیں ہیں خود یاد الٰہی کہاں ہے؟ صحابہ کرام کے پاس بھی یہی دین تھا یہی نمازیں' یہی روزے' یہی نوافل' یہی تراویح' یہی حلال وحرام اور یہی جائز وناجائز کا علم تھا جو ہمارے پاس بھی ہے لیکن اُن کے پاس ایک زائد چیز تھی جو انہیں قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے ملی تھی وہ تھی حضور ﷺ کی صحبت جس سے ان کے قلوب اور وجود ذاکر ہو گئے یاد الٰہی انکے ذرے ذرے میں رچ بس گئی اور یاد الٰہی کی جو تنویر انہیں قلب اطہر ﷺ سے نصیب ہوئی وہ انہیں شرف صحابیت پر فائز کر گئی۔

تابعین کے پاس بھی یہی دین تھا جو ہمارے پاس ہے انکے پاس ایک چیز زائد تھی کہ انہوں نے صحابہ ؓ کی صحبت پائی اور ان کے وجود منور ہو گئے برکات نبوی ﷺ بواسطہ صحابہ ؓ اُن کے قلوب تک پہنچیں جن سے اُن کے وجود ذاکر ہو گئے۔

تبع تابعین کے پاس بھی یہی دین تھا۔ زائد چیز انکے پاس یہ تھی کہ انہوں نے تابعین کی صحبت پائی اور انہیں انوارات وبرکات نبوت بواسطہ تابعین نصیب ہوئیں۔

نبی کریم ﷺ سے صحابہ ؓ نے صحابہ ؓ سے تابعین نے تابعین سے تبع تابعین نے یہ کیفیات وبرکات نبوی ﷺ ایسے ہی وصول کیں جیسے سارا دین ہم نے نسلاً بعد نسلاً پہلوں سے حاصل کیا۔ ان ادوار ثلاثہ کے بعد یعنی صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے بعد پھر وہ بہار نہ رہی خیر القرون کا عرصہ تمام ہوا تو دین مختلف شعبوں میں سیکھا اور سکھایا جانے لگا جس نے تفسیر قرآن کا کام سنبھالا وہ مفسر کہلایا جس نے حدیث پہ کام کیا وہ محدث کہلایا جس نے فقہ پر کام کیا وہ فقیہ کہلایا اسی طرح کچھ خوش نصیبوں نے تعلیم قرآن وحدیث اور فقہ پڑھنے کے ساتھ برکات نبوی ﷺ کو بھی سمیٹا علوم ظاہر بھی حاصل کئے اور کیفیات قلبی بھی حاصل کیں۔ لیکن کیفیات کے حصول کا شعبہ الگ بنا اس میں خصوصی محنت کی گئی اور شریعت کے حصول کے ساتھ ساتھ برکات کے حصول کو یقینی بنایا گیا اور نسلاً بعد نسلاً یہ کیفیات بھی آگے منتقل کی گئیں انگریز کی آمد سے پہلے تمام علماء کیفیات وبرکات کے حامل تھے ان کے ہاں دین اپنی مکمل شکل میں تھا۔ انگریز کے عہد میں بھی ایسے علماء ملتے ہیں اور انکی سوانح دیکھی جاسکتی ہے کہ انہوں نے کسی مدرسے سے ظاہری علوم شریعت حاصل کئے اور پھر کسی خانقاہ میں فروکش ہو گئے وہاں سے ذکر اذکار سیکھا صحبت صالح میں بیٹھے کیفیات قلبی حاصل کیں اور پھر میدان عمل میں آئے ہر عالم کا یہی طریقہ تھا۔

شومئی قسمت ہم سے یہ طریقہ چھوٹا ہے۔ دور جدید کے لوگ جو علم رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہی اسے غیر ضروری سمجھ کر اس کا راستہ روک رہے ہیں اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے فتوے دے رہے ہیں یہ ہماری بدنصیبی کی انتہا ہے کہ ہم آب حیات کو زہر ہلاہل سمجھ رہے ہیں ہمیں آب حیات سے پرہیز سکھایا جا رہا ہے۔

یاد رکھیں ذکر الٰہی وہ دولت ہے کہ ذکر خفی قلبی جسے نصیب ہوتا ہے اس کے وجود کا ہر سیل ذاکر ہو جاتا ہے پھر وہ سیل مر جاتا ہے لیکن اس سے ذکر نہیں چھٹتا وہ جہاں پڑا ہوتا ہے وہیں اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ چھ ماہ میں پرانے سیل جسم انسانی سے جھڑ چکے ہوتے ہیں اور نئے سیل انکی جگہ لے چکے ہوتے ہیں تو جو سیل جھڑ جاتے ہیں وہ جس حال میں بھی ہوں وہ وہیں اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ انسان مر جاتا ہے قبر میں دفن ہو جاتا ہے لیکن سارا وجود اس کا ذرہ ذرہ اللہ اللہ کرتا رہتا ہے اس اللہ اللہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اتباع رسالت نصیب ہو جاتا ہے اور قرب الٰہی کے حصول کا ایک ہی راستہ ہے جو قرآن نے بتایا ہے **ان کنتُم تحبون اللّٰہ فاتبعونی** کہ اگر تمہیں اللہ کی طلب ہے تم اللہ سے پیار کرنا چاہتے ہو اپنے مالک سے محبت کرنا چاہتے ہو تو ﷺ کا اتباع کرلو اتباع رسالت تمہیں اس منزل تک پہنچا دے گا کہ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے ۔**یحبکُم اللّٰہ** .اللہ تم سے پیار کرنے لگے گا۔

اتباع رسالت کے لئے دل آمادہ ہو جائے دل چاہنے لگے۔ دل میں اتباع نبی ﷺ کی محبت آ جائے اور عدم اطاعت سے نفرت ہو جائے یہ کام ہوتا ہی کیفیات قلبی سے ہے جب تک دل میں اتباع رسول ﷺ کی محبت اور عدم اطاعت سے نفرت نہ آ جائے بندہ عملی زندگی میں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور دل میں اتباع رسالت کی طلب تو تب قائم ہوگی جب دل زندہ ہو۔ دل کی حیات نور ایمان ہے۔ دل کی زندگی ہی ایمان سے ہے۔ جس طرح ایک دن کا بچہ بھی زندہ ہوتا ہے اور زندہ شخص بیمار بھی ہوتا ہے اور جو سو رہا ہو زندہ وہ بھی ہے اور وہ شخص بھی زندہ ہی ہے جو نشہ کر کے غافل پڑا ہے اور وہ بھی زندہ ہے جو تندرست و توانا ہے نہ غافل ہے نہ بیمار بلکہ تنومند ہے اور میدان عمل میں ڈٹ کر کھڑا ہے۔ اسی طرح جسے ایمان کے ساتھ ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے اس کا دل توانا ہو جاتا ہے بندہ اتباع رسالتؐ کے عزم صمیم کو لے کر میدان عمل میں کود پڑتا ہے اور اتباع شریعت پر ڈٹ جاتا ہے۔ ذاکرین کے لئے بھی یہی معیار ہے کہ وہ کس قدر اتباع شریعت کر رہے ہیں جسے ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے اسے اتباع شریعت نصیب ہوتا ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ اسے مراقبات نصیب ہیں اللہ نے منازل عطا کی ہیں تو اسکی عملی زندگی اطاعت پیغمبر ﷺ کا نمونہ بن جائے گی۔ قرب الٰہی کا یہی ایک واحد راستہ ہے یعنی اتباع نبوی ﷺ اس بابرکت مہینے میں اللہ کریم ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائیں اور ہمیں وہ محفلیں اور وہ پاکیزہ صحبتیں نصیب فرمائے وہ بندے نصیب فرمائیں جو اس کی یاد سے فیض یاب ہوں۔ ہمارے قلوب بھی منور ہوں ہمارے ذرات بدن بھی اللہ کے ذکر سے شاد کام ہوں۔ آمین

ضرورت رشتہ

جنس ______ لڑکی

عمر ______ 24 سال

تعلیم ______ ایم اے اسلامیات (فاضلہ)

رہائش ______ راولپنڈی

اچھے خاندان کے نیک سیرت اور باروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ فیملی باپردہ ہونی ضروری ہے ذات کی قید نہیں۔ (سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی)

والدین رابطہ کریں 0333-8759804

دن 2:00 بجے سے 4:00 بجے تک

دنیا میں بے سکونی عذابِ آخرت کا پرتو ہے:

"عبادات سے آخرت بنتی ہے جس بندے کی آخرت بہتر ہوتی ہے' اس کی دنیوی زندگی بھی بہتر ہو جاتی ہے چونکہ دنیا آخرت کا ایک پرتو ہے۔ اگر انسان میں سمجھ ہو' شعور ہو تو جو برائی کرتا ہے' ظلم کرتا ہے' اس کے پاس کتنی بھی دولت ہو' کتنا اقتدار و اختیار بھی ہو' اسے سکون نصیب نہیں ہوتا۔ وہ بے قرار رہتا ہے' تڑپتا رہتا ہے' خوف زدہ رہتا ہے' آخر کیوں؟ اس لئے کہ اس کے ظلم کی وجہ سے اس کی آخرت برباد ہو رہی ہے' وہاں اس کے لئے طرح طرح کے عذاب بن رہے ہیں اور آخرت چونکہ حقیقی زندگی اور دنیوی زندگی عارضی ہے' اس عارضی زندگی پہ اس حقیقی زندگی کا عکس پڑتا ہے۔ آدمی کو اور کچھ نہ بھی ہو تو اسے سکون نہیں ملتا' اسے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیوں ڈرتا ہوں' میں کسی سے کیوں خوف زدہ ہوں۔ اپنے گرد ہزاروں پہرے لگاتا چلا جائے گا لیکن پھر بھی ڈرتا رہے گا' اسے محلوں میں نیند نہیں آئے گی' کیوں؟ چونکہ آخرت برباد ہو رہی ہے لیکن جس کی آخرت بن رہی ہے وہ توروکھا سوکھا کھا کے بھی خوش رہے گا' زمین پر لیٹ جائے گا تو سکون سے سو جائے گا۔ اس کے لئے آخرت میں اللہ کے نزدیک جو اجر بن رہا ہے اس کا پرتو یا اس کی شعاعیں اسے اس دنیا میں بھی محسوس ہوتی ہیں"۔

ماخوذ از "اکرم التفاسیر"

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پل کوریاں' سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-2667571

اکرم التفاسیر

سے اقتباس......

امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی
پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 29-08-2008

الحمدللّٰہ رب العٰلمین٥

والصلٰوۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَالہٖ

واصحابہٖ اجمعین٥

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم٥

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم٥

ولا تجادل عن الذینَ یختانون انفسھُم ط اِن اللّٰہ لا

یحبُ من کان خواناً اثیماً.................٥ کان اللّٰہ علیماً

حکیماً٥ (سورۃ النساء آیات ۱۰۷ تا ۱۱۱)

اللھُم سبحنک لا علملناَ الا ما علمتنا

اِنکَ انت العلیمُ الحکیمَ

مَولایَ صَلِ وَسَلِمْ دَائِمـاً ابداً

عَلٰی حَبِیبِکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

ارشاد ہوتا ہے آپ ﷺ ایسے لوگوں کی طرف سے بات مت کیجیے جو خود اپنے آپ سے خیانت کرنے والے ہوں آپ ﷺ ایسے لوگوں کی طرف سے جوابدہ نہیں ہیں۔

عموماً خیانت یا بددیانتی دوسروں سے کی جاتی ہے یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں یہ کون لوگ ہیں جو اپنے آپ سے جھوٹ بول کر اپنا نقصان کر رہے ہیں یعنی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو دین سے ہٹ کر قرآن کا دامن چھوڑ کر اسلام کے نظام حیات سے علیحدہ ہو کر من مانے طریقے پر زندگی بسر کرتے ہیں اور خود کو مسلمان کہہ کر اپنے آپ سے دھوکہ کرتے ہیں خود اپنی ذات سے خیانت کرتے ہیں۔

اللہ کریم نے تو قرآن نازل فرمایا لتحکم بین الناس تاکہ لوگوں کے درمیان اس کتاب کے فیصلے نافذ کئے جائیں کہ یہ کتاب عملی زندگی کا پورا پروگرام ہے کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا کیا کہنا ہے کیا نہیں کہنا کس ہستی سے کس طرح پیش آنا ہے۔ عقائد و اعمال، اخلاقیات وسیاسیات، معاشرت و معیشت عبادات وتہذیب غرض زندگی کے ہر شعبے کے لئے مکمل ہدایات اس میں موجود ہیں۔ اب مسلمانوں کی زندگی میں قرآن حکیم کا فیصلہ نافذ ہوگا اور قرآن حکیم کی تعبیر وتشریح صرف نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔ جیسا کہ قرآن میں آ گیا لتحکم بین الناس بمآ ارکَ اللّٰہ. کہ اللہ کریم نے آپ ﷺ کو اس کے سارے مفاہیم دکھا دیے ہیں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مفاہیم سمجھا دیے ہیں بلکہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کھول کر رکھ دیے ہیں لہٰذا قرآن حکیم کا وہی مفہوم اور وہی معنی قابل قبول ہوگا جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا صحابہؓ نے سمجھا صحابہؓ نے آپ ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا اور حضور نبی کریم ﷺ نے تصدیق فرما دی۔ اب اسلام کی تشریح میں اور اسے سمجھنے میں کوئی ابہام نہیں رہا۔ اب جو کوئی گمراہ ہوتا ہے وہ آپ ﷺ کے تصدیق شدہ مفہوم سے ہٹ کر مفہوم بناتا ہے اور اس وجہ سے گمراہ ہوتا ہے۔

ان آیات میں انہی لوگوں کی بات ہو رہی ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آپ جوابدہ نہیں ہیں جو قرآن کو من مانے معنی پہنا کر اپنے آپ سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ جیسے سابقہ کتب سماوی کے ساتھ کیا گیا جیسے عیسیٰ کے احکام کو غلط معنی پہنا کر غلط کاموں کے لئے جواز تلاش کیے گئے وہی کام اللہ کی کتاب قرآن سے کیا جائے اور پھر کہا جائے کہ یہ نئے مفاہیم انسانیت کی ضرورت ہے تو یہی اپنے آپ سے دھوکہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں جمہوریت کے نام پر ایک طوفان برپا ہے ہر سیاسی لیڈر ہر رسالہ ہر اخبار ٹی وی انٹرنیٹ سب پر جمہوریت کے نام پر واویلا کیا جا رہا ہے۔ اکیس بائیس کروڑ مسلمانوں کے اس ملک کا کوئی لیڈر کسی پارٹی کا کوئی نمائندہ دین کی بات نہیں کرتا قرآن کا نام نہیں لیتا اسلام کی بات نہیں کرتا ہاں اہل مغرب کے ترتیب دیئے ہوئے اس نظام جمہوریت کی بات کرتا ہے جو صرف تھرڈ ورلڈ ممالک کے لئے ترتیب دی گئی ہے ورنہ اس کے اپنے ممالک میں جو جمہوریت ہے وہ مختلف ہے لفظ جمہوریت کا مفہوم کچھ اور ہے اور یہاں مغرب والوں نے کسی اور معنی میں استعمال کیا ہے۔

یاد رہے کہ ظہور اسلام سے پہلے جمہوریت کی اصطلاح کہیں موجود نہیں تھی۔ شہنشاہیت تھی حاکمیت تھی، سرداری تھی۔ بڑے بادشاہوں سے لیکر قبائلی سرداروں تک ہر جگہ کوئی نہ کوئی حاکم تھا اور اسی کا حکم چلتا تھا دوسرے کی رائے کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی تھی سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے غلامی کی زنجیریں اُتاریں اور ہر بندے کو رائے رکھنے کا حق حاصل ہوا اور عام آدمی کی آراء کو جمہور کی رائے کہا گیا لیکن اس میں تخصیص یہ کی گئی کہ اگر فقہ کے بارے رائے لینی ہو تو فقہا کی اکثریت کو جمہور کہا جائے گا۔ سیاست کی بات ہو تو سیاست کی اکثریت کو جمہور کہا جائے گا یا قانون کی بات ہوگی تو قانون دانوں کی اکثریت کی رائے کو جمہور کی رائے کہیں گے۔ لفظ جمہور دیا ہی اسلام نے اور یہ اصطلاح اسلام نے دی اس کی ابتدا ہی اسلام نے کی۔

مغربی جمہوریت میں نام اور نعرہ عوام کا ہے لیکن ان کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں اس میں یہ نعرہ دیا گیا کہ طاقت عوام کی ہے عوام کے لئے ہے اس کے بعد عوام کو کوئی نہیں پوچھتا بلکہ جس نے ایسی جمہوریت سکھائی اسی نے بتایا کہ لوگوں سے اتنا جھوٹ بولو کہ انہیں باور کرا دو کہ وہ اقتدار میں شریک ہیں۔ اس طرح کی جمہوریت لوگوں کو اسلام سے دور کرنے اور سیاستدانوں کو اپنے مفادات کے حصول کے لئے بہت پسند ہے۔

امریکہ میں جس انداز کی جمہوریت رائج ہے وہ ہو بہو اسلامی نظام کی نقل ہے۔ جس میں اکابرین امت مل کر مشورے اور رائے سے خلافت کے اہل کو چنتے ہیں پھر امت اسکی بیعت کرتی ہے۔ خلافت اربع کا انتخاب اسی طرح ہوا اور اسلام کا اصول یہی ہے کہ جو امیر ہے اسی کی ذمہ داری ہے کہ پھر قابل لوگوں کو ذمہ داریاں تقسیم کرے اور عہدے دے۔

امریکہ میں رائج جمہوریت میں انتخاب کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں وہاں کوئی شخص اپنی مرضی سے کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ اسے جماعت کے اکابرین چنتے ہیں اسی طرح اکابرین دو تین افراد منتخب کرتے ہیں پھر جماعت میں اُن کے لئے ووٹنگ کرائی جاتی ہے جو جیت جاتا ہے اسے جماعت اپنا نمائندہ قرار دے دیتی ہے اگر وہ عوام کی رائے سے جیت جائے تو وہ صدر بن جاتا ہے۔ پھر وزیر بنانا عہدے دینا اسکی ذمہ داری ہے تاکہ وزارتوں میں کہیں کوئی کمی ہو یا غلطی تو جوابدہ صدر ہو اور لوگ اس کا دامن پکڑ سکیں لیکن ہمارے ہاں لوگوں سے جھوٹ بول کر پیسوں کا لالچ دیکر رشتہ داری کا

لحاظ کروا کر ووٹ لیے جاتے ہیں بلکہ فوت شدہ لوگوں کے کارڈ استعمال کر کے ووٹ ڈلوانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا اس طرح منتخب ہو کر حکومت میں جاتے ہیں پھر اپنے خرچے کا حساب کرتے ہیں کہ تین کروڑ لگا تھا اور بارہ چودہ کروڑ کمانا ہے۔ اس عمل کا نام جمہوریت رکھا ہوا ہے اور دن رات اسی کی رٹ لگی رہتی ہے اللہ کا نام کوئی نہیں لیتا قرآن کی بات اسلام کی بات کوئی نہیں کرتا۔ جمہوریت خطرے میں ہے کی بات کرتے ہیں، ملک لوٹنے کا کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں جمہوریت کے لئے قربانی دے رہے ہیں اس لوٹ کھسوٹ کے عمل کو جمہوریت کے لئے قربانی کا نام دیتے ہیں اسی دوران جو سیاستدان مر جاتا ہے وہ مر کر بھی جمہوریت پر احسان کر جاتا ہے۔ زندگی بھر ملک لوٹتا رہتا ہے اربوں لوٹ کر اسی عمل کے دوران قتل ہو جائے تو شہید کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اسکی موت جمہوریت پر احسان ہوتی ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے قرآن میں آتا ہے کہ یہ لوگ یختانون انفسهم . اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں جو کام قرآن حکیم سے ہٹ کر کیا جائے وہ نیکی نہیں اپنے ساتھ ظلم ہے۔

مغربی اقوام کی ترقی کو دیکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ مغربی اقوام ترقی کر گئیں اور ہم اسلام اسلام کرتے پیچھے رہ گئے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام اسلام کہتے ہیں حالانکہ اسلام ایک عمل کا نام ہے۔ ایمان کے ساتھ عمل کیا جائے تو وہ اسلام کہلاتا ہے اور جن احکام واعمال کے کرنے کا حکم اسلام نے دیا ہے ان احکام واعمال پر اگر کوئی شخص بغیر ایمان لائے بھی عمل کرے تو اس کا دنیوی فائدہ ضرور پائے گا جس طرح دنیوی نعمتیں کافر بھی استعمال کرے تو اسے دنیوی فائدہ محسوس ہوتا ہے ٹھنڈا پانی کافر بھی پیئے تو اسے اچھا لگے گا۔ صحت مند غذا کھائے گا تو اسکی صحت ٹھیک ہوگی لیکن کافر اور مومن میں فرق یہ ہوگا کہ وہ کھانا اور پانی کی نعمت پر اللہ کا احسان مانے گا اور اسے آخرت کا انعام بھی ملے گا یہی حال مغرب میں ترقی کا ہے انہوں نے اسلام کے نظام زندگی سے چُن چُن کر وہ آداب زندگی اکٹھے کیے جس سے دنیوی زندگی پرسکون ہوتی ہے انہوں نے تعلیم کو اہمیت دی اور وہ علوم میں مسلمانوں سے آگے نکل گئے انہوں نے ہر بچے کو تعلیم دی اور اس کا حق ادا کیا لیکن علم اور علم کی اہمیت مغربی اقوام کے پاس کہاں سے آئی؟ انہیں یہ کس نے بتایا؟

محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ جب مدینہ منورہ میں حضور ﷺ نے مشرکین سے مسلمان بچوں کو پڑھنے لکھنے کے لئے فرمایا تب سارا مغرب جاہل تھا اس میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔

آج اگر مغربی اقوام ناپ تول میں کاروبار وتجارت میں دیانتداری کے اصول کو اپنائے ہوئے ہیں تو یہ انہیں کس نے سکھایا؟ انہوں نے یہ چیزیں اسلام سے لیں۔ یہ اقوام مغرب تو لوٹ کر کھانے والے لوگ تھے انہوں نے اسلام کی ترقی سے اصول اخذ کیے اور اپنی عملی زندگی میں انہیں اپنایا تو اس کے دنیوی فائدے بھی انہی کو حاصل ہیں اور جہاں جہاں انہوں نے اسلام کا دامن چھوڑا وہاں کے ذلت آمیز نتائج ان کے معاشرے میں جا بجا نظر آتے ہیں مثلاً اسلام نے شراب شرعاً منع کی وہ پیتے ہیں' اسلام نے مرد وعورت کے تعلقات میں توازن رکھا شراب پینے اور خنزیر کھانے سے اُن سے یہ توازن چھین لیا۔ ان کے معاشرے میں اس کے نتیجے میں مرد وزن نہیں جانوروں سے بدتر سطح کے افراد ہیں۔ آبرو نام کی کوئی شئے نہیں عزت وغیرت جیسے الفاظ ان کی لغت میں موجود نہیں یہاں تک کہ ان کے اپنے مفکرین کہہ چکے ہیں کہ وہ اپنی نسلوں کو معاشرتی طور پر نہیں

سنبھال سکتے تو یہی اقوام اس معاملے میں اتنے پیچھے کیسے رہ گئے کہ زمانہ جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ چکے ہیں اس لئے کہ ان معاملات میں انہوں نے اسلامی اصولوں کی پاسداری نہیں کی۔ اسلام نے سود سے منع کیا انہوں نے اپنی معیشت کی بنیاد ہی سود پر رکھی نتیجتاً امریکہ یورپ تمام اہل مغرب امیر سے امیر ترین اور غریب سے غریب ترین کی تقسیم میں بٹے ہوئے ہیں نیویارک جیسے شہر میں ساٹھ فیصد لوگ پلوں کے نیچے اور فٹ پاتھ پر سوتے ہیں۔ تو جہاں جہاں انہوں نے اسلام کا دامن چھوڑا وہاں وہ انتہائی تباہی سے دوچار ہیں۔

آج کے مسلمان نام اسلام کا لیتے ہیں عمل اسلام کے خلاف کرتے ہیں اور یہ بھولے ہوئے ہیں کہ نتائج عمل پر مرتب ہوتے ہیں صرف کہنے پر نہیں۔ اگر کوئی بھوکا شخص یہ کہتا رہے کہ اس نے کھانا کھالیا ہے تو اس کا پیٹ نہیں بھرے گا اور وہ اعلان نہ بھی کرے کھانا کھالے تو اس عمل سے اس کا پیٹ بھر جائے گا۔

ان آیات مبارکہ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ اپنے آپ سے دھوکہ کرتے ہیں زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں دعوئ اسلام کا کرتے ہیں اور عمل اسلام کے خلاف کرتے ہیں سوچتے اسلام کے خلاف ہیں اقتدار میں آئیں تو اسلام کا نام نہیں لیتے اور ووٹ دینے جائیں تو اللہ کا خوف نہیں کرتے۔

یہ رویہ صرف حکمرانوں کا ہی نہیں ہمارا بھی ہے ہم ٹکے ٹکے پر بک جاتے ہیں جنہیں ہم چور چور کہہ کر ملک سے بھگاتے ہیں انہی چوروں کو پھر لاکر ایوان اقتدار میں بٹھاتے ہیں تالیاں بجا کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکہ ہے۔

اس خیانت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ہم آج اس خیانت کا خمیازہ بھگت رہے ہیں یہ ہمارے اپنے کئے کی سزا ہے اس بددیانتی اور خیانت کی قرآن حکیم اتنی بڑی سزا سنا رہا ہے کہ اللہ اپنے حبیب ﷺ سے مخاطب ہوکر فرما رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی بات ہی مت کیجئے ان کے سفارشی نہ بنیئے انہیں بھگتنے دیجیے۔ میں ایسے بددیانت لوگوں سے نمٹ لوں گا اور ہم ہیں کہ ہماری ہر نعت حضور ﷺ کو اطلاع دیتی ہے کہ ہمارا یہ بگڑ گیا ہمارا وہ کام خراب ہوگیا آپ ہمارا یہ سنوار دیں وہ سنوار دیں یہ آیات تو ہمیں بتا رہی ہیں کہ اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو روک رہا ہے کہ آپ ﷺ ان بددیانتوں کی بات ہی نہ کریں تو پھر رسول اللہ ﷺ ہماری نعتوں کے پیغام کو کیا کریں۔

اس کے لئے ہمیں اپنے آپ کو اس قابل کرنا ہوگا کہ حضور ﷺ ہماری سفارش کرسکیں۔ میرا تو ایمان ہے کہ ہم بددیانتی اور خیانت کرنا چھوڑ دیں تو ہمیں آپ ﷺ کے حضور عرض نہیں کرنا پڑے گی کہ حضور ﷺ ہماری سفارش فرمائیں حضور ﷺ از خود سفارش فرمائیں گے۔ ہم پر آنے والی مصیبتوں کو اللہ خود روک دے گا۔ اگر ہم اپنے نبی ﷺ سے وفا کرسکیں تو اللہ کریم حضور ﷺ کی رحمتہ اللعالمینی کو خود ہماری طرف متوجہ کریں گے۔

ساٹھ سال ہوگئے ہم اپنے نبی ﷺ سے وفا نہیں کرسکے نام اللہ کا لیتے ہیں نام اللہ کے رسول ﷺ کا لیتے ہیں غلامی کافر کی کرتے ہیں۔ کون کہتا ہے کہ پاکستان کو آزاد ہوئے ساٹھ سال ہوگئے کیوں ہم اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں ہم آزاد نہیں ہیں انگریز کے بنائے ہوئے طوق اور غلامی کی زنجیریں اس کا نظام حیات ہمارے گلے میں پڑا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ خود چلا گیا اس کے پسندیدہ غلام اور وطن عزیز کے غداروں کے ہاتھ ان زنجیروں کا سرا پکڑا گیا۔ اب کلرک اپنے حقوق کے لئے ہڑتال کررہے ہیں تنخواہ دار ملازمین اپنے حقوق کی

بات کر رہے ہیں محنت سے روزی کمانے والے اپنے حقوق کی بات کر رہے ہیں۔ کوئی انہیں بتائے کہ غلاموں کے حقوق نہیں ہوتے غلام خدمت کرنے کے لئے ہوتے ہیں حقوق مانگنے کے لئے نہیں ہوتے۔ ان کا حق بس اتنا ہے کہ آقا کے دستر خوان سے اگر کچھ بچ جائے تو آقا کی مرضی کہ وہ کسی کتے کو ڈال دے یا غلام کو دے دے غلام کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ کوئی قوم کو بتائے کہ تم غلام ہو چکے آزادی حاصل کرو پھر حقوق کی بات کرنا۔ حقوق آزاد لوگوں کے ہوتے ہیں غلاموں کے نہیں۔

یہی کہا گیا ہے کہ ان آیات میں کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے دھوکہ کرتے ہیں انہیں آپ رہنے دیں ان سے میں خود نمٹ لوں گا سب سے بڑا جھوٹ تو ہم بولتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ ساٹھ سال میں جتنی حکومتیں آئیں کیا کسی نے اسلامی نظام ترتیب دیا؟ کیا نظام تعلیم اپنا بنایا؟ کیا اپنا آزاد عدالتی نظام بنایا؟ کیا نظام مال پٹوار تحصیل دار بنوایا؟ کیا بلاسودی معاشی نظام بنایا؟ نہیں کچھ بھی نہیں۔ انگریز کے بنائے ہوئے استعماری نظام کی گدی پر جہاں پہلے گورا انگریز بیٹھ کر حکمرانی کرتا تھا اب وہاں دیسی گورے بیٹھ کر ہمیں غلامی کے کوڑے سے ہانک رہے ہیں مار کھا رہے ہیں اور ہم چل رہے ہیں

برصغیر میں انگریزوں نے بڑی محنت سے سروے کر کے برطانوی کانگریس کو ایک رپورٹ بھجوائی اور انگریز لارڈ نے لکھا کہ وہ ہندوستان بھر میں گھوما پھرا ہے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اُسے کوئی گداگر نظر آیا ہے نہ کوئی چور۔ اس لئے یہاں ہر آدمی اتنا خوش حال ہے کہ نہ اسے چوری کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے مانگنے کی اس نے رپورٹ میں لکھا کہ ایسے لوگوں پر فتح پانا ممکن نہیں۔ بازوران پر وقتی طور پر حکومت تو کی جاسکتی ہے ان کے ملک پر زبردستی قبضہ تو کر سکتے ہیں اسے قبضے میں رکھ نہیں سکتے اس نے اس کا حل یہ دیا کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم کو بدل دیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیں کہ ان کا اپنا نظام نہایت ناقص ہے اور انگریز کا نظام نہایت اعلیٰ ہے یوں وہ ہمارے نظام تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کریں گے جو ہم خاص ان کے لئے تیار کریں گے جس میں وہ ہماری اقدار کو اپنائیں خود کو کمتر ہمیں بہترین سمجھیں اور ذہنی طور پر ہمارے غلام بن کر رہ جائیں اس طرح ہمارے لئے ان پر حکومت کرنا آسان ہو جائے گا۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر انگریزوں نے برصغیر کا نظام تعلیم مرتب کیا اور یہی لارڈ میکالے ہے جس کے نظریہ تعلیم کی بدولت برصغیر کا نظام تعلیم تبدیل کیا گیا اور کلمہ گو مسلمانوں کو انگریز کے غلاموں میں تبدیل کر کے کھیپ کی کھیپ تیار کی گئی اور ہر شعبہ زندگی میں انگریز کے بنائے ہوئے معاشی، عدالتی، سیاسی و تعلیمی نظام کو چلانے کے لئے انگریز کے غلام تیار ہوئے۔ انگریز نے ہم سے ملک بزور شمشیر چھینا تھا اس نے ہمیں اپنا غلام بنایا اور غلاموں کے لئے علیحدہ قوانین بنائے۔ عدالت کے معیشت کے اور سیاست کے تمام قوانین حکمرانوں کے لئے اور تھے اور ہم غلاموں کے لئے اور تھے برصغیر میں کہیں انگریز سے جرم سرزد ہوتا اس کے خلاف انگریز سرکار میں شکایت کی جاتی تو اس کا مقدمہ برطانیہ میں چلایا جاتا وہ جرم ہندوستان میں کرتا تھا مقدمہ برطانیہ میں چلتا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ انگریز تھا وہ آزاد ملک کا آزاد شہری تھا اسکی عدالتیں آزاد تھیں وہاں اسے اپنے دفاع کا حق ملتا تھا لہٰذا اس کا مقدمہ وہاں چلایا جاتا اور برصغیر کے عوام کے مقدمے یہاں سنے جائیں گے جہاں کی عدالتیں اور قوانین غلاموں کے لئے بنائے گئے ہیں۔

کیا ساٹھ سالہ آزادی کے دور میں ہم نے غلاموں کے لئے بنائے گئے قوانین بدل دیئے؟ کیا آج آزاد پاکستان کی عدالت جسے سزائے موت دیتی ہے اس میں یہ جملہ نہیں لکھتی کہ اسے یہ سزا دفعہ ۳۰۲ کے تحت دی جاتی ہے جو۱۸۷۲ء میں انگریز نے نافذ کیا تھا اور یہ کہ اسے یہ سزا تعزیرات پاکستان کے تحت دی جاتی ہے۔

کیا ہم آزاد ہیں؟ ہم آزاد نہیں ہیں انگریز کے ڈالے ہوئے وہ طوق اور وہ زنجیریں تعزیرات پاکستان کی صورت میں ہمارے ہاتھ پاؤں میں جڑے ہوئے ہیں اور ویسے ہی ہیں جیسے انگریز نے ڈالے تھے۔

سب سے بڑا جھوٹ ہم یہی بولتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں ہم خود فریبی میں مبتلا ہیں ہم اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اعمال کفریہ اختیار کرتے ہیں ہمارا نظام زندگی مصطفےٰ ﷺ کے بجائے کافرانہ نظام کا پابند ہو چکا اور اسے ہی ہم اسلام سمجھ کر زندگی بسر کر رہے ہیں نماز روزہ حج بھی چل رہا ہے اور سود و حرام بھی چل رہا ہے۔ فرمایا میرے حبیب ﷺ آپ ان لوگوں کی بات نہ کریں۔

ان اللّٰہ لا یحب من کان خواناً اثیماً کہ جو بندہ خیانت کرے بُرائی کرے بددیانتی کرے اللہ اُسے پسند نہیں کرتا تو خود فریبی بددیانتی اور عملاً بُرائی میں زندگی بسر کرتے ہوئے نعتیں لکھنے اور حضور ﷺ کا نام نامی لینے سے پہلے ہمیں خود کو وہاں کھڑا کرنا ہوگا۔ جہاں ہم حضور ﷺ کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔

ہم دعویٰ اسلام کے باوجود حضور ﷺ کے بتائے ہوئے دین میں عقائد سے اعمال تک میں من پسند رسوم و رواجات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ دین کے نام پر رسومات پر عمل کے لئے جان توڑ کوشش کرتے ہیں لیکن عقائد و عبادات کی پرواہ نہیں کرتے رسمیں پوری ہو جاتیں خواہ نمازیں چھٹ جائیں زکوٰۃ کی ادائیگی ہو نہ ہو رسوم و رواجات پر اخراجات بے شمار ہوں گے تو جو احکام الٰہی کو چھوڑ دیں اور خیانت کریں فرمایا انہیں چھوڑ دیں یہ تو ایسے لوگ ہیں یستخفون من الناس انہیں لوگوں سے حیا آتی ہے یہ لوگوں سے چھپ کر گناہ کرتے ہیں انہیں لوگوں سے شرم آتی ہے لیکن اللہ سے حیاء نہیں آتی ولا یستخفون من اللہ اللہ سے شرم نہیں کرتے حالانکہ ان کے کرتوت اللہ سے چھپ نہیں سکتے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے بدنامی ہوگی انہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ لوگوں کو پتہ چل گیا تو صرف بدنامی ہوگی اللہ کے سامنے اسکی نافرمانی کرنے سے اللہ سے دوری ہوگی اس عمل سے اللہ انہیں اپنی بارگاہ سے راندہ کر دے گا۔

اپنی رحمت سے دور کر دے گا اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دے گا۔ **وھوا معھم اذ یبیتون مالا یرضیٰ من القول وکان اللّٰہ بما یعملون محیطاًo**

جب یہ راتوں کو چھپ چھپ کر بُری باتیں کرتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان موجود ہوتا ہے وہ دیکھ رہا ہوتا ہے یہ اس سے چھپ تو نہیں سکتے۔ یہ اپنی دانست میں چھپ کر اسلام کے خلاف' دین کے خلاف دینداروں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں حقیقتاً اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ **وکان اللّٰہ بما یعملون محیطاًo** ان کی بات سننا بھی اللہ کو پسند نہیں سو میرے حبیب ﷺ آپ انکی بات مت کیجئے۔

جو ان کا جی چاہے یہ کرلیں یہ اللہ کی گرفت سے نہیں بھاگ سکتے اللہ ان کے سارے کردار پر محیط ہے یہ کسی حیلے سے خود کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے یہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے۔

آج ہم دیکھیں کہ ہم رسوا کیوں ہیں؟ اسلامی ملک میں بندہ بندوق لیکر کھڑا نہ ہو تو نماز نہیں پڑھی جاسکتی' بازار میں جائیں تو قتل ہو جاتے ہیں سرکاری گاڑی میں لوگ قتل ہو رہے ہیں ملک کی حفاظت کرنے والے روز مارے جاتے ہیں فوج اور پولیس ماری جارہی ہے تو ملک کی حفاظت کون کرے گا؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے بے وفائی کا نتیجہ ہے جو ہم اس دنیا میں بھگت رہے ہیں۔ اللہ پناہ دے آخرت میں جو ہوگا وہ اس سے زیادہ شدید ہوگا۔

ھا نتم ھوا لاءِ جادلتم عنھم فی الحیوٰۃ الدنیا ۔ اے وہ لوگو جو سیاسی لیڈر بن جاتے ہو۔ بڑے بڑے رہنما بن جاتے ہو عالم دین اور پیروں کا حلیہ بنا لیتے ہو اور ان خیانت کرنے والوں کی وکالت کرتے ہو ظالموں کے آلہ کار بنتے ہو تم اللہ کی بارگاہ میں کیسے انکی وکالت کرسکو گے؟ دنیا میں تم یہ حال ہے کہ جو بندہ پانچ وقت نماز پڑھنا شروع کردے داڑھی رکھ لے حلیہ سنت کے مطابق اختیار کر لے وہ مجرم بن جاتا ہے اسے پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جہاں اسے گوانتا ناموبے کی جیلوں میں عقوبت خانوں میں بھیج دیا جاتا ہے اور جو شراب پیئے مونچھیں بڑھائے داڑھی صاف کرے گانے سنے رقص وسرور کی محفلیں سجائے وہ مہذب جدید تہذیب کا علمبردار اور قابل فخر سمجھا جاتا ہے۔

فرمایا دنیوی زندگی میں تو تم نے بڑی لچھے دار تقریریں کیں اور لوگوں کو دھوکہ دیا اور انکی وکالت کی **فمن یجادلُ اللّٰہ عنھم یوم القیمتہِ اُم من یکون علیھم و کیلاً** ٥ وہ کون جرات والا ہے جو ان بے ایمانوں کی طرف سے اللہ کی بارگاہ میں جھگڑا کرے گا۔ لوگوں کو دھوکہ دینا تو آسان ہے' لوگوں کے سامنے تقریریں کرنا تو آسان بات ہے وہ بندہ تلاش کرو جو قیامت کو تمہاری طرف سے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو اور تمہاری وکالت کرے تمہاری طرف سے جھگڑے' تمہارے کرتوتوں کو صحیح ثابت کرے۔ کون ہے جس میں یہ جرات ہو کہ وہاں ان کا وکیل بن کر پیش ہو!۔

ومن یعمل سوءً ا او یظلم

جو ظلم بھی کر چکے ہو جھوٹ بول بول کر بُرائی کی جس حد تک بھی پہنچ چکے ہو جتنی بُرائی اور جتنا ظلم اپنے ساتھ کر چکے ہو خواہ سیاست میں کیا ہے خواہ عالموں کا روپ دھار کر چند تقریریں رٹ کر ایک جگہ ایک دہرا دی دوسری جگہ دوسری دہرا دی اور لوگوں کو بھگاتے پھرتے رہے ہو یا پیروں اور قابل احترام سلاسل تصوف کے مشائخ کے روپ میں خلافت بانٹتے رہے ہو نہ خود معرفت الٰہی سے آشنا رہے ہو نہ جن کو چوغے پہنا کر خلیفہ بنا رہے ہو انہیں کچھ پتہ ہے ان مقدس شعبوں میں جھوٹ بولتے رہے ہو یا دنیاداری میں تو بڑی سے بڑی بددیانتی کے بعد بھی تم آج توبہ کرلو۔ **ثم لیسغفر اللّٰہ** سب کچھ چھوڑ دو اور میرے نبی ﷺ کی غلامی کرلو **یجد اللّٰہ غفوراً رحیماً** ٥ تم دیکھو گے کہ اللہ کی رحمت کتنی وسیع اور اسکی بخشش کتنی بڑی ہے وہ تمہارے سب عیوب سے تمہیں پاک کر دے گا اور تم پر ایسی رحمت نازل فرمائے گا کہ پھر تم دنیا میں بھی خوشحال ہو گے اور آخرت میں بھی۔

دیکھیئے اللہ کریم نے کہیں پابندی نہیں لگائی کوئی قدغن نہیں رکھی کہ اتنے ہزار گناہ اتنی بُرائی پر معافی ہے بلکہ فرمایا ظلم وخیانت کر کے جتنا ظلم تم اپنے اوپر کر چکے ہو وہ سب ایک لمحے میں معاف ہو سکتا ہے وہ لمحہ زندگی کے کسی موڑ پر آجائے جب تک زندگی ہے بندہ کسی لمحے توبہ کرلے اور کہے یا اللہ میں نے جو کیا غلط کیا اب اسے چھوڑتا ہوں اب میں تیرے نبی ﷺ کی اطاعت کروں گا اس طرح کی زندگی

جیوں گا جس طرح محمد الرسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے میری زندگی تیرے نبی علیہ السلام کی اطاعت میں ہوگی تو اللہ فرماتا ہے پھر وہ دیکھے گا کہ اللہ کی بخشش کتنی وسیع ہے لیکن اگر باز نہ آئے گناہ کرتے رہے اور توبہ نہ کی تو بندہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا وہ تمام جرائم اپنے اوپر ہی لادتا ہے جسے وہ خود ہی بھگتے گا و کان اللہ علیماً حکیماً. اللہ کریم سب جانتا ہے اور وہ ایسا حکیم ہے کہ اس نے بندے کو مہلت دے رکھی ہے اور انتخاب کرنے کا اختیار بھی دے رکھا ہے جو چاہے توبہ کرکے آن واحد میں غلامان محمد رسول اللہ ﷺ میں شامل ہو جائے اور اب بھی کوئی یہ نہ چاہے تو پھر اسکی مہلت جب ختم ہوگی اسے خود بھگتنا پڑے گا۔

یہ ایک اصول ہے جس نے بھی محمد الرسول اللہ ﷺ کے طریقوں سے روگردانی کی اسکی زندگی بھی اجیرن ہوتی ہے اور آخرت کے عذاب لامتناہی۔ اللہ پناہ دے۔ یہ جو بھگت رہے ہیں بجلی نہیں' تیل نہیں' آٹا نہیں' ظلم وجور کا بازار گرم ہے' علاج سے محروم ہیں یہ دنیا کے عذاب ہیں جو آخرت کے مقابلے میں چھوٹے ہیں آخرت کے عذاب تو بہت شدید ہیں۔

اللہ فرماتا ہے یہ عذاب دنیوی بھی اُٹھ سکتے ہیں اگر بندے توبہ کرلیں اور خود کو حضور ﷺ کے عطا کردہ نظام زندگی کے سائبان تلے لے آئیں

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
ملت احمد مرسل ؐ کو مقامی کر لو

اپنا نظام تبدیل کرلو اور اپنا دستور حیات بدل لو۔ جو ایسا کرے گا وہی کامیاب وکامران ہوگا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نظام کی تبدیلی حکمرانوں کا کام ہے۔ درست لیکن ہم ملکی نظام بدلنے کے مکلف نہیں ہم اپنی زندگی کا نصاب بدل کر حضور ﷺ کی غلامی میں آنے کے مکلف تو ہیں ہم اپنے آپ کو اپنے گھر کو اپنے کنبے کو بدلنے کے مکلف تو ہیں۔ اگر ایک ایک پاکستانی خود کو اور اپنے گھرانے کو حضور ﷺ کی غلامی میں لے آئے تو حکمرانوں کو بھی ان کے قدموں میں آنا پڑے گا۔ لیکن ہمارا رویہ یہ ہے کہ دوسروں پر تنقید کرتے ہیں اور اپنے لئے جواز تلاش کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ توبہ کا وقت ختم ہو جائے' ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اصلاح کرلیں خود جھوٹ بولنا چھوڑ دیں خود سود کھانا چھوڑ دیں خود اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا عہد کرلیں اپنی پوری کوشش اس میں لگا دیں تو پھر اللہ کریم خود توفیق عمل عطا کر دیتا ہے۔

ضرورت رشتہ

جنس لڑکی
عمر 30 سال
تعلیم طالبہ یونیورسٹی (فائن آرٹس)
درازقامت' خوبصورت' خوب سیرت
ذات۔ مغل بھٹی' رہائش فیصل آباد
اچھے خاندان کے تعلیم یافتہ' باروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
(سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی)
رابطہ 0321-8665719
0321-7611287
(والدین رابطہ کریں)

رہنمائی اور رہبری کا فرق

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 07-08-2008

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیُم○

الم○ ذٰلک الکِتٰبُ لاریب فیہِ ھُدًی اللمتقین○ الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلٰوۃ ومما رزقنھم ینفقون○ والذین یومنونَ بما اُنزل الیکَ وما اُنزلَ من قبلکَ وبالاٰخِرۃ ھُم یوقنون○ اولٰئِک علیٰ ھُدًی من ربھم واولٰئِک ھُمُ المفلحون○ (البقرہ 1تا5)

اللھم سبحنک لا علملناَ الا ما علمتنا

اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِّمُ دَائِماً ابداً

عَلیٰ حَبِیبکَ مَنُ زانت بِہٖ الُعُصُروا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ادنیٰ ترین شبے کی کوئی گنجائش نہیں کتاب اللہ میں پہلی قوموں کے واقعات بھی ہیں انبیاء کا ذکر خیر بھی ہے تخلیق آدمؑ اور انسانیت کے پھلنے پھولنے کا تذکرہ بھی ہے آنے والے واقعات کا ذکر ہے اور وقوع پذیر ہونے والی باتوں کا علم ہے اس دنیا میں موجود اشیاء کے سائنسی علم کے تمام اصول وحقائق موجود ہیں روئیدگی کیسے ہوتی ہے پرندے کیسے اُڑتے ہیں نباتات وجمادات کا عالم کیا ہے یہ اور اس طرح کی تمام باتیں جن کا تعلق فزیکل سائنس سے ہے ان علوم کے سرچشمے قرآن حکیم سے پھوٹتے ہیں۔ مادی علوم اور فلسفے کے ماہرین کی صدیوں کی کاوش کے بعد جو حقیقت طشت از بام ہوتی ہے اسکی خبر چودہ صدیاں پہلے سنا دی گئی ہے۔ پھر اس عالم میں انسانی زندگی کیسے بسر ہو اسکی ساری تفصیل اس میں موجود ہے اور یہ کل انسانیت کے لئے ہے حالانکہ انسان مختلف ملکوں میں رہتے ہیں ان کی زبانیں مختلف ہیں اوقات مختلف ہیں موسم اور قد کاٹھ مختلف ہیں عبادات واطوار زبانیں اور بولیاں مختلف ہیں لباس وغذا کے انداز مختلف ہیں لیکن یہ کتاب پوری عملی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے پوری زندگی کا سلیقہ اس میں موجود ہے معیشت سے لیکر سیاست تک حکومت سے عدالت تک مزدور سے آجر تک ذات سے گھر تک ملکی اور بین الاقوامی سطح تک زندگی کے ہر نشیب وفراز میں رہنمائی کرتی ہے جو کہ نہایت عجیب اور مشکل ترین کام ہے اس کے علاوہ ستاروں کا علم مثلاً سورج کا سفر پہ رہنا چاند کا دائرے میں حرکت کرتے رہنا اُن کی وجہ سے زمین پر تبدیلیاں ہونا ان سب امور پر مکمل علم اس میں موجود ہے اس کے بعد ذات باری صفات باری اس کی مرضیات' پسند وناپسند کے بارے جامع، مکمل اور تسلی بخش اطلاعات فراہم کی گئی ہیں ان سب باتوں کے بعد ایک عجیب قید اللہ کریم نے لگا دی ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مکمل اور جامع ترین کتاب ہے اس سے استفادہ صرف وہی کر سکتے ہیں وہی اس سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جن کے پاس تقویٰ ہے ھدی للمتقین یہاں ہدایت سے مراد رہبری ہے ہدایت کے دو معانی ہیں ایک ہے رہنمائی دوسرا رہبری۔ کسی کو راستہ بتا دینا راہنمائی ہے اور کسی

کا ہاتھ پکڑ کر چلا دینا رہبری ہے اور دونوں معنی لفظ ہدایت میں سموئے ہوئے ہیں۔ یہاں مراد پکڑ کر چلانا ہے کہ یہ اتنی کامل اتنی سچی اتنی کھری کتاب ہے کہ جو چاہے اس کے ذریعے ہدایت پا سکتا ہے۔

لیکن اس پر لوگ کیوں نہیں عمل کرتے کیوں اس کے مطابق نہیں چلتے فرمایا چلنے کی توفیق انہیں ہوتی ہے جو متقی ہیں یعنی صاحب تقویٰ' صاحب تقویٰ کے اوصاف کیا ہیں؟ الذین یومنون بالغیب جو لوگ غائبانہ اللہ کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں ویقیمون الصلوٰۃ اور عبادت میں سستی نہیں کرتے بلکہ اس طرح اس پر کاربند ہوتے ہیں کہ صلوۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو نعمتیں انہیں اللہ نے عطا کی ہیں وہ اللہ کی امانت سمجھ کر اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں وہ لوگ اس کتاب پر یقین رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر اُتاری گئی ہے اور جو کتاب آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر اُتاری گئیں ان پر بھی یقین رکھتے ہیں اور جنہیں آخرت پر پختہ یقین حاصل ہے۔ اولٰئک علی ھدیً من ربھم واولٰئک ھم المفلحون. یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں سیدھے راستے پر ہیں اور یہی لوگ فلاح وکامیابی پانے والے ہیں۔ یہ تو سمجھ آ گئی کہ اہل تقویٰ کے یہ اوصاف ہیں لیکن خود تقویٰ کیا چیز ہے؟ عربی لفظ تقویٰ کا اُردو ترجمہ جب کیا جاتا ہے تو لفظ ڈر لکھا جاتا ہے حالانکہ ڈر تو کئی اقسام کا ہو سکتا ہے۔ آدمی دشمن سے بھی ڈرتا ہے موذی جانور سے بھی ڈرتا ہے مالی نقصان اور بیماری سے بھی ڈرتا ہے تو یہاں کون سا ڈر مراد ہے۔ یہاں وہ ڈر مراد ہے جو رشتے میں دراڑ آنے سے لگتا ہے مثلاً ایک شخص کوئی کام اس لئے نہ کرے کہ اس سے اسکے والد گرامی ناراض ہوں گے یا بھائی کی ناراضگی کا ڈر ہوگا یا کسی دوست کی خفگی کا ڈر ہوگا۔

گویا رشتوں میں بال آ جانے کا جو ڈر ہے تقویٰ سے وہی ڈر ذات باری کے ساتھ رشتے میں ہے یہاں تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ بندے کا ذات باری سے اللہ سے ایسا تعلق بن جائے ایسا رشتہ قائم ہو جائے کہ وہ بات کرتے وقت سوچے کہ اسکے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلے کہ اللہ کریم ناراض ہو جائیں اور رشتے میں دراڑ پڑ جائے۔ کام کرتے وقت بھی سوچ آئے کہ اس کام کے کرنے سے میرا اللہ کریم سے جو رشتہ ہے اس میں کچھ دراڑ تو نہیں آ جائے گی ایسا ڈر تقویٰ کا نتیجہ ہے لیکن خود تقویٰ کیا ہے؟ اس کا جواب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے فرائض نبوت ارشاد فرماتے ہوئے دیا گیا ہے۔ یتلوا علیھم ایتہٖ یعنی دعوت الی اللہ۔

حضور نبی کریم ﷺ بلا تفریق رنگ ونسل' قوم وملت بلا تفریق مومن وکافر سب کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اللہ کی آیات سناتے ہیں اللہ کی طرف سے دعوت دیتے ہیں ویزکیھم اور جو دعوت قبول کر لے۔ اسے پاک کرتے ہیں۔ اللہ پاک ہے اللہ کی صفات پاک ہیں بندے کو عظمت الٰہی سے آشنا ہونے کے لئے ایک خاص پاکیزگی اور طہارت چاہیے بندے کو وہ پاکیزگی دینا اس کا تذکیہ کرنا فرائض نبوت میں سے ہے ویعلمھُم الکتب جب تزکیہ ہو جائے تو پھر انہیں اللہ کی کتاب تعلیم فرماتا ہے جس میں گذشتہ وآئندہ کے واقعات اور انکی روشنی میں موجودہ زندگی کی راہوں کا تعین ہوتا ہے والحکمتہ اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس کتاب کی تعبیر تفسیر اور تشریح اپنے قول سے اپنے عمل سے فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جو فرمادیا وہ حدیث ہے جو عمل کیا وہ سنت ہے جو پسند فرمایا وہ سنت ہے جس کا ارادہ فرمایا اور کسی وجہ سے نہ کر سکے وہ سنت ہے جیسے حضور ﷺ نے باجماعت تراویح مسجد میں دو دن پڑھائی۔ تیسرے دن صحابہؓ بیٹھے رہے اور حضور ﷺ حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے اور حکم فرمایا کہ صحابہ اپنی اپنی تراویح پڑھ لیں اور پھر اسکی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ حضور ﷺ کو باجماعت تراویح پڑھنا بہت پسند ہے

لیکن اگر وہ اسے باقاعدہ پڑھتے رہتے تو امکان تھا کہ اللہ کریم اسے فرض قرار دے دیتے اور پھر بیس رکعت تراویح امت پر فرض ہو جاتی جو تمام افراد امت کے لئے شاید دشوار ہوتی۔ آپ ﷺ کے اس ارادہ کو دلیل بنا کر سیدنا فاروق اعظمؓ نے باجماعت بیس رکعت تراویح شروع کرا دی کہ حضور ﷺ کا ارادہ تو اسے باقاعدہ باجماعت پڑھنے کا تھا لیکن آپ ﷺ کے ارشاد پاک کے مطابق اگر یہ جاری رہتا تو چونکہ وہ نزول وحی کا زمانہ تھا لہٰذا امکان تھا کہ کہیں یہ فرض قرار نہ ہو جائے اس لئے آپ ﷺ نے جماعت ترک کر دی۔ لہٰذا سیدنا فاروق اعظم کی دلیل یہ تھی کہ اب نزول وحی منقطع ہو گئی لہذا اب آپ ﷺ کے ارادے کی تکمیل ہونی چاہیے۔

تزکیہ فرائض نبوت میں سے ہے اور نبیؑ کی ذات میں اتنی قوت ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کا تزکیہ ہوتا رہے گا اور آپ ﷺ کی کیفیت تزکیہ میں رائی برابر کمی نہیں آئے گی بلکہ زیادتی ہوتی چلی جائے گی یہ اور بات ہے کہ صحابہؓ کے تزکیہ کی کیفیت اپنی ہے انکی شان جدا ہے اور بعد میں آنے والوں کے تزکیہ کی کیفیت اپنی ہے۔ جسے حضور اکرم ﷺ کی نگاہ پاک نصیب ہوگئی وہ صحابی ہو گیا صحابی سے مراد ہے حضور ﷺ کی صحبت پانے والا اور آپ ﷺ سے فیض یافتہ یوں صحابہ کرام متقی ہو کر تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو گئے اور متقی کے تمام اوصاف یعنی ایمان' اعمال صالح' اطاعت الٰہی میں وہ درجہ کمال کو پا گئے گویا صحابی امانت' دیانت اور عملی زندگی کے ہر شعبہ میں کمال کو پہنچ جاتا ہے خود حضور ﷺ کا صحابہؓ کے بارے ارشاد پاک ہے صحابی نے اگر ایک مٹھی جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور بعد میں آنے والے نے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کیا تو بھی صحابی کے مٹھی بھر جو کے برابر بھی ثواب حاصل نہ کر سکے گا کہ جس گہرائی جس خلوص اور جس کیفیت سے اس نے خرچ کئے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکے گا اس نے قلب اطہر سے انوارات نبوت براہ راست اپنے قلب میں انڈیلے اور وہ اعلیٰ درجے کا متقی ہو گیا۔ لہٰذا برکات نبوت جس دل میں آ جائیں اسے تقویٰ نصیب ہو جاتا ہے۔ نبیؑ دعوت ہر ایک کو دیتے ہیں اور نبیؑ جب زبان سے الفاظ ارشاد فرماتے ہیں تو ان میں کیفیات ایمان و یقین ہوتی ہیں جو بندہ ایمان لاتا ہے اسے نبیؑ کے ارشاد سن کر وہ کیفیات بھی نصیب ہو جاتی ہیں۔ عہد نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں یہی طریقہ مبارک رہا۔ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے یہ کیفیات اتنی کامل اور مکمل لیں تھیں کہ جسے ان کی صحبت نصیب ہوگئی وہ تابعی ہو گیا تابعین کا طریقہ بھی صحبت ہی رہا اس کے بعد یہ شعبہ محنت و مجاہدے کے ساتھ مختص ہو گیا۔ کچھ مخلصین نے محنت و مجاہدے کر کے صاحب کیفیات کے دلوں سے وہ کیفیات حاصل کیں اور اسے لوگوں تک پہنچایا یوں یہ تصوف، طریقت و سلوک نام کا دین کا ایک ضروری شعبہ بن گیا۔ تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں۔ شریعت احکام الٰہی کا نام ہے اور احکام پر عمل کرنے کے لئے جس خلوص کی ضرورت ہے وہ تصوف کے ذریعے برکات نبوت کے حصول سے ممکن ہے۔ خلوص بھی از خود پیدا نہیں ہوتا جس طرح احکام شریعت از خود کسی کو نہیں ملے قرآن از خود کسی کو نہیں ملا بلکہ حضور ﷺ کے بتانے سے آپ ﷺ کے ارشاد کرنے سے نصیب ہوا اسی طرح یہ کیفیات بھی سینہ اطہر پیغمبر ﷺ سے نصیب ہوتی ہیں اور فرمایا کتاب الٰہی میں تو ہر طرح کی رہنمائی بلاشک و شبہ موجود ہے لیکن اس سے استفادہ وہی کرتے ہیں جن کے دل کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے بن جاتا ہے جن کا اللہ کریم سے ایک ایسا رشتہ بن جاتا ہے کہ وہ مرضیات باری کے خلاف سوچنے سے بھی ڈرتے ہیں کہ اللہ کریم کے ساتھ رشتے میں کوئی دراڑ نہ آ جائے۔ تو جس کو تقویٰ کی نعمت نصیب ہو اُسے کیسے پتہ چلے گا؟ تقویٰ کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس نے اللہ کو نہیں دیکھا لیکن وہ اللہ کو مانتا

ہے۔ ممکن حد تک مانتا ہے اسکی ذات پر اسکی صفات پر ایمان رکھتا ہے یہ ایمان بالغیب ہے یعنی اس کا اللہ سے ایسا رشتہ قلبی استوار ہوا کہ وہ یقین کے اعلیٰ درجے پر پہنچ گیا متقی کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں سرگرم ہوتا ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ اسکے پاس اللہ کریم کی جتنی نعمتیں ہوں خواہ علم ہو اقتدار واختیار ہو قوت وطاقت ہو یا دولت اور وقت وہ ان میں سے کسی بھی نعمت کو اپنی بڑائی کے لئے خرچ نہیں کرتا خود فرعون بننے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نعمتیں اللہ کریم کی امانت ہیں ان کا مالک اللہ ہے اور ان نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جانا چاہیے اسے انفاق کہتے ہیں۔ اسے آخرت پر گہرا اور مکمل یقین ہوتا ہے۔

اللہ کریم نے ان آیات مبارکہ کو ہمارے لئے آئینہ بنا دیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو دیکھنا چاہیں تو اس آئینے میں دیکھیں اپنے دل کو ٹٹولیں کہ اس میں کتنا یقین ذات باری پر ہے کتنا یقین کتاب اللہ پر ہے اپنے کردار کو دیکھیں کہ عبادات میں دل کتنا لگتا ہے معاملات میں عظمت الٰہی کا کتنا خیال رہتا ہے پھر یہ دیکھیں کہ آخرت کے یقین کا کیا عالم ہے؟ اگر ان چیزوں میں ترقی ہو رہی ہے یقین پختہ ہو رہا ہے تو بہتری ہو رہی ہے۔ یقیناً تزکیہ نصیب ہو رہا ہے تقویٰ نصیب ہو رہا ہے۔ تقویٰ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ دعا کرتا ہے کام کرتا ہے اللہ کی بات مان کر۔ اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ تمام کام اللہ کی مرضی کے تحت اس کے نظام کے مطابق ہوتے ہیں اور من جانب اللہ ہوتے ہیں اس لئے اسکی دعا سے کوئی کام ہو جائے تو وہ اسے اپنی کرامت نہیں سمجھتا اللہ کا فضل سمجھتا ہے۔ عظمت الٰہی جس کے سامنے ہو اُسے بڑائی کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا وہ اپنے آپ کو بالکل بے مایہ سمجھتا ہے اُسے سمجھ آجاتی ہے کہ حقیقی فاعل اللہ کی ذات ہے واقعات کو حالات کو انسانوں کو سبب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بات تب تک سمجھ نہیں آتی جب تک عظمت الٰہی واضح نہ ہو۔ جب ہر طرف لیمپ اور دیئے جلتے رہیں تو ہم اسی میں پھنسے رہیں گے کہ اس کی روشنی زیادہ ہے یا اس کی روشنی اور جب سورج نکل آئے تو ہر دیئے کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے کسی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ معرفت باری نصیب ہو تو بندے کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہو جاتا ہے یہ سارے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں کہ میں اس سے علم میں بہتر ہوں' اسکے پاس مجھ سے زیادہ دولت ہے' فلاں کی نسبت میری برادری زیادہ ہے فلاں کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوں اور یہی سب باتیں چلتی رہتی ہیں جب معرفت الٰہی کا سورج سامنے آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ان دیئوں اور موم بتیوں کی تو کچھ حیثیت ہی نہیں۔

ان آیات مبارکہ کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ کریم ہر اس بندے کا دعویٰ قبول کر لیتے ہیں جو یہ دعوی رکھتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور اللہ اس پر رحم فرمائے لیکن جو مزا مسلمان ہونے کا ہے وہ تب ہی آتا ہے جب تقویٰ نصیب ہوتا ہے ہر شئے کی ایک لذت ہے اسلام کی لذت ہے اس کا پتہ ہی تب چلتا ہے جب دل روشن ہو' سینہ روشن ہو' برکات نبوت اس میں آئیں ذات باری تعالیٰ سے ایک رشتہ نصیب ہو جائے جسے تقویٰ کہتے ہیں پھر اکیلے کمرے میں ظاہر میں باطن میں اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا اللہ کے موجود ہونے کا احساس نصیب رہتا ہے۔ میں نے اس واقعے کا پہلے بھی ذکر کیا ہے اور یہ قابل تذکرہ بات ہے میں ایک مرتبہ جیپ میں سفر کر رہا تھا گرمیوں کے روزے تھے میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بھیڑیں لایا وہ اتنی پیاسی تھیں کہ پانی پر ٹوٹ پڑیں اور ایک دوسرے کو دھکے دے کر پانی پینے لگ گئیں چرواہا بھی پیاسا تھا لیکن اس نے چادر تہ کر کے سر پر رکھ کر تھوڑا سا سائبان بنایا اور بیٹھ کر سکون سے وضو کرنے لگ گیا۔ اس نے کیوں پانی نہیں پیا؟ اس لئے کہ اسے تزکیے کی اور

تقویٰ کی کیفیت نصیب تھی۔ اسے دیکھنے والا کوئی انسان نہیں تھا لیکن اسے یہ احساس تھا کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور اس کے حکم کی بجا آوری ہی روزہ ہے تو یہ جو ایک گونہ تعلق اسے اللہ سے نصیب ہے یہی تزکیے اور تقویٰ کا ایک حصہ ہے۔

قرآن حکیم اول وآخر حق اور سچ ہے لیکن اس سچ کو سننے کے لئے کان چاہیئے دیکھنے کے لئے بینائی چاہیے قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے تقویٰ چاہیے اس کے بغیر بات نہیں بنتی۔ اللہ کریم کی بخشش عام ہے ہم تو اس سے حسن ظن رکھتے ہیں کہ جو بھی اسلام کا دعویٰ کرے اللہ اسے قبول فرمائے اور نجات عطا کرے لیکن دعویٰ اور حقیقت میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے اللہ کریم مہربانی فرمائے دین پر عمل تو دور کی بات ہے برکات نبوت نصیب نہ ہوں تو دین کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ بارہا آپ نے ایسے واقعات پڑھے ہوں گے دیکھے ہوں گے سمجھے ہوں گے خود اپنے ساتھ ہوتا ہے کہ وہی بات جو ہم دوسروں کو سمجھاتے ہیں کہ گناہ ہے وہی گناہ ہم سے ہو جاتا ہے ایک عالم فاضل دنیا جہان کو سبق پڑھاتا ہے اور وہی غلط کام خود کر لیتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ بات جب الفاظ کی حد تک رہتی ہے اور وہ کیفیت دل میں نہیں آتی تو بات نہیں بنتی اور اللہ کریم یہ نعمت نصیب کرتے ہیں تو تعلیمات اور برکات مل کر نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

☆......فیصل آباد سے محمد اسمٰعیل کے بھائی محمد ابراہیم دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔
☆......کوئٹہ سے حاجی اکبر کے جواں سال بیٹے ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے۔
☆......لالہ موسیٰ سے اسلام ربانی وفات پا گئے۔
☆......ہری پور سے عبدالرشید کی پھوپھی جان وفات پا گئیں۔
☆......جہلم سے حافظ ذوالفقار احمد کی والدہ پا گئیں۔
☆......مظفر گڑھ سے شمس الحق کے والد محمد رمضان وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے

کفر و اسلام کی آویزش

گر کبھی ان دو میں تم کو فیصلہ کرنا پڑے
جنگ میں ہے جیتنا یا ہارنا ہے بے لڑے
ہچکچاؤ تم نہ ہرگز اور نہ دل تنگ ہو
کود جاؤ اس میں فوراً کفر سے گر جنگ ہو
ہو گئے غالب اگر تو غازی کہلاؤ گے تم
جان دے دو تو حیاتِ جاوداں پاؤ گے تم
جان تو جانی ہے اِک دن چھوڑ سب کچھ جاؤ گے
گر راہِ حق میں لوٹا دو تو امر ہو جاؤ گے
جب کوئی بھی قوم غیروں کے طریق اپنائے گی
وہ انہی کی برتری کے زُعم میں پھنس جائے گی
شکل وصورت تو تِری پہلے سے ہے اغیار کی
اب تو لیکن ہو گئے ہو پیروِ کردار بھی
وہ تجھے مرغوب ہے اسلام کا طبعِ جدید
وہ ظفر مندی کے خواہاں مثل خالدؓ بن ولید
کافروں کے ہم نوا تیری مسلمانی کی خیر
کہ حرم تیری نظر میں کلیسا اور دَیر
دشمنوں سے ہے تیری یاری اور ہے اپنوں سے بَیر
اپنے دہشتگرد ہیں اور رازداں تیرے ہیں غیر
جو اویسی جب ہوا اغیار سے شیر وشکر
کھو چکا اپنا تشخص، چھوڑ بیٹھا رب کا در

☆......انجینئر عبدالرزاق اویسی ٹوبہ

سُود کی حرمت

يٰٓـاَيُّهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اعلانِ جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا، اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی دوسرا تم پر ظلم کرنے پائے گا۔

البقرہ آیات نمبر 278-279

منجانب

ایچ۔ ایم۔ بی سنز کراچی

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 29-07-2008

سوال:- آپ نے اخلاق حسنہ کے متعلق بتایا اسکی دین میں اہمیت بتائی لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ معاشرتی زندگی کے خوبصورت اسلامی نظام سے ہٹ جانے کے باعث ہم اخلاقیات سے بھی ہٹ گئے ہیں۔ جب ہم ذکر الٰہی کرتے ہیں تو خود سے اور دوسروں سے اخلاق حسنہ کی توقع رکھتے ہیں لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ذکر الٰہی بھی کیا جا رہا ہے اور بدتمیزی' بدکلامی' بدتہذیبی کا سلسلہ بھی جاری ہے جس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کئی لوگ اس وجہ سے ذکر اذکار ہی چھوڑ گئے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ منافق کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب وہ لڑائی کرتا ہے تو گالی دیتا ہے کیا یہ ذکر الٰہی کرنے والے ذاکر بھی منافقین کے زمرے میں آتے ہیں؟۔

جواب:- اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک بہت بڑی خوبی یہ بتائی ہے کہ آپ اخلاق حسنہ کی اعلیٰ بلندیوں پر ہیں جن میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

دراصل اخلاق کا کردار وعمل میں ایک بنیادی کردار ہے اگر اخلاق نہ ہو تو عمل میں وہ خوبی نہیں آتی جو اس کی قبولیت کا سبب بنتی ہے کسی بھی عمل کے لئے محض اداکاری کرنا مطلوب نہیں ہے بلکہ خلوص کا ہونا شرط ہے۔ اللہ کریم سے ایک تعلق ہونا نبی کریم ﷺ کی عظمت کا دل میں احساس ہونا خلوص ہے۔ ان باتوں کو مدنظر رکھ کر جو عمل کیا جاتا ہے وہ عنداللہ مقبول ہو سکتا ہے اور اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا احساس نہ ہو نبی کریم ﷺ کی عظمت کا احساس نہ ہو تو اعمال دیکھا دیکھی کیے جاتے ہیں اور ان پر وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے جو پر خلوص اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عمل صالح کی پہچان یہ ہے کہ آدمی کے معمولات اور روزمرہ کے امور کی اصلاح ہوتی رہے۔ قرآن حکیم کا متعین کردہ معیار یہ ہے کہ اگر عبادات مقبول ہوتی ہیں تو وہ بندے کے کردار کو سنوارتی ہیں اسے بُرائی سے نفرت ہونا شروع ہو جاتی ہے نیکی کی محبت پیدا ہونے لگتی ہے بھلائی کر کے خوشی حاصل ہوتی ہے غلطی سے بُرائی ہو جائے تو دکھ محسوس ہوتا ہے بندہ توبہ کرتا ہے اس کی تلافی کرتا ہے ازالہ کرنے کی سعی کرتا ہے۔

یہ سوال کہ ذاکر بھی بدکلامی کرتے ہیں گالی گلوچ کرتے ہیں تو کیا وہ منافق ہو گئے ہیں؟ اصولی بات وہی ہے جو حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ منافق وہی ہے جو دین کا بہروپ بنا کر دنیوی مفادات کے حصول کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اندر سے وہ دین سے خالی ہوتا ہے لیکن بظاہر دین داری کا دعویٰ رکھتا ہے۔ لہذا منافق وہی ہے جو اندر سے مسلمان نہ ہو اور جان بوجھ کر دین کا ڈھونگ رچا کر اپنے مقاصد حاصل کرتا ہو۔ پھر حضور ﷺ نے منافقین کی عادات اور ان کے اخلاق رزیلہ کی نشاندہی کی ہے جن کا اظہار عملی زندگی میں ہوتا ہے۔ منافقین کی یہ عادات جن کلمہ گو مسلمانوں میں در آئیں تو اُن مسلمانوں کے ان افعال کو منافقین کے اعمال سے مشابہت ہوتی ہے جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''من ترک الصلوۃ متعمداً

فقد کفر' اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ شارحین حدیث یہاں لکھتے ہیں کہ نماز کا انکار تو کفر ہے لیکن ترک صلوۃ کفر نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد عالی کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل کافر جیسا عمل ہے یہ کام کافر کی صفت ہے تو جس حدیث کا ذکر آپ نے کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ مسلمان جب گالی گلوچ کرتا ہے تو گالی دینے کا یہ فعل نفاق کی صفت ہے اور مسلمان اس عمل میں منافقین سے مشابہت رکھتا ہے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے اس عمل سے وہ منافق ہوگیا۔ البتہ اس ارشاد پاک میں بڑی سخت تنبیہ ہے کہ منافقانہ عادات واطوار کو ہمیشہ اپنائے رکھنا بالآخر نفاق پر منتج ہوتا ہے۔ جو شخص منافقانہ عادات کو مسلسل اپناتا رہے کبھی توبہ نہ کرے کبھی اصلاح نہ کرے تو بالآخر نفاق اور گمراہی کی طرف چلا جاتا ہے اور اس ارشاد پاک کی تشریح میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس کا یہ عمل اسکی نیکیوں میں کمی کرے گا اس کی بُرائیوں میں زیادتی کا سبب بنے گا اور جس طرح ایک جھوٹ بول کر اسے چھپانے کے لئے ہزار جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اسی طرح ایک گناہ کے جواز کیساتھ ہزاروں گناہ کرنے پڑتے ہیں۔ تو کیوں نہ پہلے جھوٹ اور پہلے گناہ پر ہی سیدھی سیدھی اللہ سے توبہ کرلی جائے۔ اللہ کریم کے سامنے اعتراف کر کے بندہ اللہ سے دعا کرے کہ یا اللہ یہ مجھ سے اچھی بات نہیں ہوئی مجھے اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما تو اللہ کریم اصلاح فرما دیتے ہیں اور تصوف وسلوک اور ذکر اذکار سے یہی توفیق ملتی ہے۔ انسان میں بھلائی کا مادہ بھی ہے اور بُرائی کا مادہ بھی موجود ہے ذکر واذکار بھلائی کے مادے کو ابھارتے ہیں اور بُرائی کے عنصر کو کمزور کرتے ہیں اور کوئی انسان بھی فرشتہ نہیں بن سکتا فطری استعداد نیکی کرنے کی اور نفس کے ذریعے بُرائی کی خواہش کرنے کی نفس کی بات ماننے سے بُرائی کرنے کی قوت رہتی ہے چونکہ انسانی نفس مادی اجزا کے ملنے سے بنتا ہے اور آگ ہوا مٹی اور پانی جب ملتے ہیں تو نفس پیدا ہوتا ہے۔ جو مادی اجزا کا حاصل ہے تو وہ مادی خواہشات اور دنیوی مفادات پر ہی فریفتہ رہتا ہے اور انسان کو اسی طرف کھینچتا رہتا ہے شیطان بھی اپنی طرف کھینچتا ہے تو ان دونوں سے بچنے کا طریقہ بندے کے پاس اللہ کی پناہ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ ذکر الٰہی قلب کے ان فاسد مادوں کو مٹاتا ہے اور نیکی کے خیالات کو جلا بخشتا ہے۔

گالی گلوچ تو جہالت کی علامت ہے جو معاشرے مسلمان نہیں ہیں اور جن غیر مسلم معاشروں میں جہالت نہیں وہاں بھی گالی گلوچ کا رواج نہیں' جہالت کا پہلا نقصان خود اپنے آپ کو ہوتا ہے اپنی زبان بھی خراب ہوتی ہے اور بدکلامی کے اثر سے چہرہ بھی مسخ ہونا شروع ہو جاتا ہے ایک شاعر نے کہا تھا کہ

زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

غصہ انسانی فطرت میں شامل ہے جو کسی نقصان یا ناپسندیدہ بات یا حرکت پر آتا ہے نبی کریم ﷺ نے اس کا بہت خوبصورت اور آسان علاج بتایا ہے وہ ہے حالت کی تبدیلی' پہلا کام یہ کیا جائے کہ حالت تبدیل کر دی جائے اگر آپ کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں' بیٹھے ہیں تو کھڑے ہو جائیں۔ حالت بدلنے سے بھی کیفیت میں فرق پڑ جاتا ہے پھر فرمایا کہ غصہ آجائے تو وضو کریں وضو کرنے سے غصہ انشاء اللہ کافور ہو جائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی غصہ ہو درود شریف پڑھنا شروع کر دیں تو وہ ختم ہو جائے گا۔ یہ بات حرمین شریفین کی حاضری کے دوران مشاہدہ میں آئی جب عرب احباب سے واسطہ پڑتا تھا کہ وہ جب آپس میں کسی بات پر ناراض ہونے لگتے یا باتوں باتوں میں آپس میں الجھ پڑتے اور کوئی ایک غصہ میں آجاتا تو ہم سادہ سی بات کہتے "یا شیخ صلے علی النبی" کہ درود شریف

پڑھو تو جتنے لوگ اس محفل میں ہوتے سب درود شریف پڑھنے لگ جاتے وہ بات ختم ہو جاتی وہ کیفیت ختم ہو جاتی اور مزاج کی تندی جاتی رہتی۔ پچھلے چند سالوں سے میں نہیں جا سکا لیکن میرے خیال میں آج بھی کوئی یہ تجربہ کرے تو یہی فائدہ ہوگا۔ گالی گلوچ کی تو نوبت ہی تب آتی ہے جب انسان کو غصہ آتا ہے غصے کا موثر علاج اور سب سے آسان علاج اور مبارک علاج یہ ہے کہ درود شریف پڑھنا شروع کر دیں۔ ہر مسئلے کا شافی حل سنت نبوی ﷺ میں موجود ہے۔

ہم میں سے کوئی بھی شکم مادر سے تہذیب سیکھ کر نہیں پیدا ہوتا نہ خاص انداز تکلم اور رہن سہن کے انداز سیکھ کر آتا ہے یہ سب کچھ ہم معاشرے سے ہی لیتے ہیں لوگوں سے ہی سیکھتے ہیں کسی نہ کسی کی نقل ہی کرتے ہیں تو جب کسی نہ کسی فرد کی ہی نقل کرنی ہے تو سب سے اعلیٰ ہستی کی نقل کی جائے کیوں نہ اللہ کے حبیب ﷺ کی نقل کی جائے یہ تب ہی ممکن ہے جب عظمت الٰہی پیش نظر ہو ذکر الٰہی یاد الٰہی نصیب ہو تو بندے کو احساس رہتا ہے کہ میرا پروردگار میرے پاس موجود ہے اخلاقیات دین کا وہ شعبہ ہے جس کی عملی زندگی میں بہت اہمیت ہے کسی کا وقت لے لیا تو اُسے جزاک اللہ کہنے سے ماحول میں مثبت اثر پھیلے گا یہ بظاہر چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اگر اسے رواج دیا جائے تو انسانی تعلقات میں بہت سدھار آ جاتا ہے۔

آج مغرب نے غیر مسلم معاشرے نے مسلمانوں کے دین سے شعبہ اخلاقات سے بہت سی چیزیں لے کر اپنے معاشرے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کی ہے وہ ہر بات پر شکریہ کہتے ہیں ہر کام پر شکریہ کہتے ہیں جب نبی کریم ﷺ اسلام کا علم اور بصیرت کا نور تقسیم فرما رہے تھے تو یورپ اور مغرب میں اخلاق و آداب نام کی کوئی شے نہ تھی نہ انہیں لباس کی تمیز تھی نہ بود و باش کے طریقوں سے آگاہ تھے مکان تک بنانے نہیں آتے تھے۔ اسی لیئے مورخ انہیں ''غاروں کے رہنے والے'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ آج جو خوبیاں مغربی معاشرے میں نظر آتی ہیں وہ سب انہوں نے اسلام سے لی ہیں انہیں نبوت اور بعثت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نصیب نہیں بھی ہوا تو بھی انہوں نے اسلام میں سے عملی زندگی کی بہتری کے لئے خوبیاں تلاش کیں انہوں نے اس بات کی کھوج لگائی کہ صحرانشینوں نے کس طرح سے یہ نعرہ مستانہ بلند کیا کہ وہ روئے زمین پر پھیل گیا اور کیوں لوگوں نے اس تیزی سے اسے قبول کر لیا انہوں نے اسباب ظاہری پر ریسرچ کی اور انہیں پتہ چلا کہ اُن کے پاس ہر چیز کا قاعدہ ضابطہ ہے انہیں تو بات کہنے اور سننے کا سلیقہ ہے لین دین کے معاملات میں دیانتداری ایک معیار ہے اور تعلقات کی پاسداری کے کچھ اصول ہیں تو جو خوبی اس وقت مغربی معاشرے میں نظر آتی ہے وہ انہوں نے اسلام سے ہی لی ہے اور جس جس شعبے میں انہوں نے خوبیاں اپنائی ہیں استعمال کی ہیں ان پر عمل کیا ہے اس شعبے میں وہ بہت ترقی کر رہے ہیں اور جہاں جہاں انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے وہاں وہ تباہی سے دوچار ہیں مثلاً ان کی معیشت سودی ہے لہٰذا ان کے اپنے سروے کے مطابق صرف نیویارک شہر کے باسٹھ فیصد لوگ بغیر مکان کے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں لوگوں کو پلوں کے نیچے رات بسر کرتے اور کوڑے دان سے کھانا چنتے دیکھا ہے اس سودی معیشت نے غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تک بنا دیا ہے اسی طرح مرد وعورت کے تعلقات میں انہوں نے اسلام کے سنہری اصولوں کو نظرانداز کر دیا تو یورپی مفکر آج خود کہتے ہیں کہ ان کا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے اور وہ اپنی قوم کی اصلاح کرنے سے قاصر ہو چکے ہیں کئی سال پہلے جب ہمارا امریکہ آنا جانا تھا تب وہاں سرکاری حکم آیا تھا کہ سرکاری کاغذات میں اب والد کی بجائے والدہ کا نام لکھا جائے۔ یہ انکی خاندانی نظام کی تباہی ہے کہ ماں کی شادی نہیں ہوئی

اوراس کی کئی اولادیں ہیں تو باپ کا نام کہاں لکھیں؟ اب ایسی ماؤں اور ایسے بچوں کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ باپ کا خانہ ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ یعنی جس شعبے میں انہوں نے اسلامی احکام کو دنیوی اعتبار سے بھی نہیں اپنایا تو وہاں وہ بھی تکلیف سے دوچار ہیں اور ہم سے زیادہ پریشان ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا یہ کمال ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کے نقوش کف پا ملتے ہیں کاروبار وتجارت کے طریقوں سے لیکر ایوان سلطنت تک' سپاہی سے جرنیل تک' ایک بڑے خاندان کے سربراہ اور بے شمار قبائل میں رشتہ داریوں کے آداب واطوار تک ہر شعبے میں حضور اکرم ﷺ کے انداز زندگی ملتے ہیں جو سراسر مبنی بر ہدایت اور نہایت آسانی ہیں۔ اخروی فلاح وکامیابی کے ضامن ہیں اور مادی زندگی کی آسان کی ضمانت دیتے ہیں۔ جو کام انسان کے لئے بہترین ہیں وہ سنت نبوی ﷺ میں موجود ہیں۔ چند روز پہلے ایک ساتھی بتا رہے تھے کہ انکی ملاقات ایک ایسے مغربی سائنسدان سے ہوئی جس نے بیس برس مکھی پر ریسرچ کرنے میں گزار دیے اور اس کا کہنا تھا کہ بیس سالہ تجربات ومشاہدات کا نچوڑ یہ ہے کہ قدرت نے مکھی میں ایک عجیب نظام رکھا ہے اس کے ایک پر میں بیماری کے اثرات ہیں اور دوسرے پر میں ان کا علاج ہے لہٰذا اگر کھانے پینے کی کسی چیز میں مکھی گر جائے تو اسے پورا ڈبو کر باہر پھینک دینا چاہیے ورنہ وہ عموماً اس پر کے پہلو گرتی ہے جس میں بیماری ہے اور اپنی اس بیس سالہ تحقیق کو اب وہ دنیا میں عام کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات اس بڑے سائنسدان نے ایک عام شخص سے کہی تو اس نے اسے کہا تم بیس سالہ تحقیق کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہو وہ بات ہمیں چودہ سو سال پہلے نبی کریم ﷺ نے بتادی تھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر مکھی کسی کھانے پینے کی چیز میں گر جائے تو اسے مکمل ڈبو کر باہر پھینک دو کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے پر میں شفا تو وہ بڑا حیران ہوا اس نے حوالہ دیکھنا چاہا اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی یہ حضور ﷺ کا فرمان ہے تو وہ حضور ﷺ پر ایمان لے آیا اس نے کہا جس شخص کو یہ دانش نصیب ہے وہ یقیناً اللہ کا نبی علیہ السلام ہے کہ آج کے سائنٹسٹ تو بیس سال کی محنت سے اس نتیجے پر پہنچے اور چودہ سو سال پہلے جب یہ ٹیکنالوجی نہیں تھی ایسی ریسرچ ممکن نہ تھی اس کا تصور نہ تھا تو یہ نتیجہ نکالنا انسانی بس میں نہیں تھا۔

حضور ﷺ رحمتہ اللعالمین ہیں اللہ نے رحمت کو مجسم فرما کر حضور ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے مبعوث فرما دیا ہے آپ ﷺ سے آشنائی ہی انسان کو معظم اور دنیا وآخرت میں سرفراز کرتی ہے۔ دنیا عالم اسباب ہے یہاں ہر چیز حاصل کرنے اور اسکی حفاظت کرنے کے لئے اسباب اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے انداز زندگی اپنانے کے لئے حضور ﷺ سے آشنائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے لئے تلاوت قرآن اور درود شریف پڑھنے کے لئے سیرۃ پاک کا مطالعہ کرنے کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے اور ہم نے اپنی غیر ضروری ضروریات اتنی بڑھالی ہیں کہ اس ضروری کام کے لئے وقت نہیں نکالتے۔ ایک زمانے میں لوگ ناول اور افسانے پڑھتے تھے۔ اب بات اس سے آگے بڑھ گئی ہے لوگ انٹرنیٹ پر بہت سی خرافات دیکھتے ہیں۔ ٹیلی فون پر سارا دن پیغامات کی ترسیل جاری رہتی ہے حالانکہ موبائل فون پر عبارت لکھنے میں خاصی دقت ہوتی ہے بہت سا وقت برباد ہوتا ہے۔ آج سے چند سال پہلے تک موبائل فون ہر مرد وعورت اور طالب علم کی ضرورت نہیں تھا اب مسجدوں میں بھی موبائل فون کی گھنٹیاں بجتی ہیں اور جنازے کی نماز میں بھی مختلف گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں کسی نے گھنٹی کے بجائے گانے کی دھن لگا رکھی ہے کسی نے کتے کے بھونکنے کی

آواز لگا رکھی ہے آگے میت رکھی ہے امام جنازہ پڑھا رہا ہے پیچھے صفوں میں رنگ برنگی دھنیں بج رہی ہیں ہم نے ایسی غیر ضروری مجبوریاں کیوں بنالی ہیں ہر آدمی اور ہر عورت اتنے وی آئی پی کیوں ہوگیا ہے کہ اس کا ٹیلی فون ہر وقت چالو رہنا چاہیے یہ وہ ضرورتیں ہیں جو ہم نے خود اپنے اوپر لادلی ہیں۔ میرے پاس بھی موبائل ہے لیکن میں نے اسے ایمرجنسی کے لئے رکھا ہوا ہے میرے پاس تمام فون نمبر ہیں آپریٹر ملا دیتا ہے کام ہو جاتا ہے جدید ٹیکنالوجی کے فوائد بھی ہیں اور قباحتیں بھی یورپ میں G3 سسٹم ہے کہ بات کریں تو تصویر بھی ساتھ نظر آتی ہے اور اس کا استعمال انہوں نے یہ کیا ہے کہ جو بے حیائی انٹرنیٹ پر ہوتی تھی وہ ٹیلی فون پر بھی دیکھی جا سکتی ہے کچھ عرصے میں یہ سسٹم وطن عزیز میں بھی آجائے گا یہ تو اس کے استعمال پر ہے جو نیک بخت ہیں وہ ہر سسٹم سے اخلاقی فوائد حاصل کر لیتے ہیں اور جو بد بخت ہیں وہ اس سے بُرائی حاصل کرتے ہیں یہ اپنی اپنی سوچ اور فکر کی بات ہے ان خرافات سے آدمی اپنی ضرورتیں بڑھا کر اپنے وقت کو برباد کر رہا ہے۔

ہمیں اس کا علاج کرنا ہے تو اپنے اوقات میں سے وقت نکال کر حضور اکرم ﷺ کے ارشادات پڑھنا چاہیں کچھ وقت سیرۃ طیبہ کے لئے نکالنا چاہیے اس مطالعہ سے ذات نبوی ﷺ سے انس پیدا ہوتا ہے بارگاہ رسالت کے بارے علم حاصل ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادات مبارکہ کیا تھیں؟ کون سا کام آپ ﷺ کس طرح کرتے تھے؟ کس طرح دوسروں سے پیش آتے تھے؟ اور حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر پڑھنے سے دل میں ایک عجیب سی محبت اور قرب کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جس سے اتباع میں آسانی ہو جاتی ہے۔ جاننے سے ہی عمل ہو سکتا ہے بندہ جانتا ہی نہیں تو کیا خاک عمل کرے گا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کے بارے کچھ ارشاد فرمائیں۔ آپؓ نے نہایت مختصر اور بڑا جامع جواب دیا ''کان خلقه القرآن'' کہ آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ قرآن کے مطابق تھے قرآن پڑھتے جاؤ تمہیں پتہ چلتا جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ کیا کرتے تھے کیا نہیں کرتے تھے۔

اگر ہم اپنی ضرورتوں کا احساس کر کے تھوڑا سا وقت سیرت پاک کے مطالعے کے لئے نکال لیں۔ قرآن حکیم کے ترجمے اور تفسیر کے لئے پانچ دس منٹ نکال لیں تو اللہ کریم علم میں برکت عطا کر دیتے ہیں اور توفیق عمل بھی ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیے ہر کلمہ جو ہم ادا کرتے ہیں وہ لکھا جا رہا ہے۔ **ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب ، عتید** (ق آیت ۱۸) جو لفظ بھی کسی کے لبوں سے نکلتا ہے اس کے پاس لکھنے والے اور گواہ موجود ہوتے ہیں فردائے قیامت وہ سب کچھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا اور کہنے والا بھی سامنے ہوگا تو بارگاہ الٰہی میں کتنی ندامت ہوگی کہ اس میں گالی لکھی ہوگی غیبت لکھی ہوگی، بُرائی لکھی ہوگی، سو جس کام سے آپ کا تعلق نہیں اس پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ہمارا دن انہی غیر متعلق سوچوں اور غیر متعلق باتوں میں گزرتا ہے کوشش کریں اپنے اوقات کی اور اپنی زبان کی حفاظت کریں۔ کسی شاعر نے کہا تھا

زبان اپنے حق میں ہے بے شک بے زباں
بڑھے ایک نقطہ تو پھر ہے زیاں

لفظ زبان کے نیچے ایک نقطہ بڑھا دیں تو زیاں بن جاتا ہے یعنی بندے کا نقصان ہو جاتا ہے۔ زبان اللہ کی حمد و ثناء کے لئے بھی ہے اور حضور ﷺ کے ذکر خیر کے لئے بھی ہے حق کے احقاق کے لئے ہے اور بُرائی کی تردید کے لئے بھی۔ اسی سے بُرے کلمات بھی ادا ہوتے ہیں اور اسی کے غلط استعمال سے معاشرے میں رزائل اخلاق

پھیلتے ہیں زبان کا استعمال بظاہر چھوٹی بات ہے لیکن جو لوگ چھوٹی چھوٹی برائیوں سے پرہیز نہیں کرتے وہ بڑے بڑے جرائم سے بھی نہیں ڈرتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا اپنا دفاع مضبوط کرنا ہے۔ دشمن کے خلاف اپنی حفاظت کے لئے فوج میں بھی دفاعی حصار بنائے جاتے ہیں یعنی کئی دفاعی لائنیں بنائی جاتی ہیں پہلی' دوسری اور پھر تیسری کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ دشمن کو پہلی دفاعی لائن عبور نہ کرنے دی جائے اگر وہ اسے توڑ ڈالے تو پھر دوسری دفاعی لائن کی بھرپور حفاظت کی جاتی ہے اور اگر پہلی دفاعی لائن بھی ہٹا دی جائے اور دوسری بھی ہٹا دی جائے تو پھر تیسری تو ایک ہی دفاعی لائن رہ جائے گی پھر آپ جیتے یا دشمن جیتا۔ اسی طرح دین میں بھی تین حفاظتی حصار ہیں پہلی دفاعی لائن نوافل ہیں دوسری دفاعی لائن سنت خیر الانام ہے تیسری اور اندرونی دفاعی لائن فرائض ہیں۔

اگر ہم نے نوافل کی دیکھ بھال نہ کی تو ظاہر ہے جھگڑا سنتوں پر ہوگا اور سنتوں سے محروم ہو گئے تو حملہ فرائض پر ہوگا۔ ایک شخص نوافل ترک نہیں کرتا تو دشمن اسے فرائض ترک کرنے کا مشورہ کب دے گا؟ وہ تو اس سے نوافل پر ہی وسوسے ڈالتا رہے گا کہ چھوڑو یہ کوئی فرض تو نہیں ہے تم آدھی رات کو کیوں اٹھتے ہو اور اگر یہ دفاعی لائن ٹوٹ گئی تو پھر اس کا وار سنتوں پر ہوگا اور خدانخواستہ زندگی اور طرز عمل سے سنت ترک ہوئی تو پھر فرائض کا بچنا بھی آسان نہیں ہوگا اگر فرائض گئے تو پھر زد ایمان پر پڑے گی اور تیسری دفاعی لائن ختم ہوئی تو میدان دشمن کے ہاتھ رہا ملک تو ایمان ہے پھر ایمان نہیں رہے گا۔ اسی طرح دین کی عمارت عقائد' عبادات' معاملات اور اخلاقیات پر استوار ہے جو حصہ بھی چھوٹا ہو ہیں دین میں خلل واقع ہو گیا۔

دنیا عالم اسباب ہے اسباب کے مطابق اپنا دفاع بھی کرنا چاہیے۔ اخلاقیات میں بے احتیاطی ایک مضبوط دفاعی لائن کو کمزور کرنے کا سبب ہے جس کی اخلاقیات کی دفاعی لائن مضبوط ہے وہ اٹھنے بیٹھنے' بات چیت کرنے میں سلیقہ اپناتا ہے اور اگر اخلاق چھوٹ جائیں تو بات سیدھی فرائض میں کوتاہی پر منتج ہوتی ہے۔

زندگی تو ایک جہد مسلسل ہے نفس اور شیطان کے خلاف جہاد ہے یہ مقابلہ جاری رہتا ہے زندگی کے ماہ سال کم ملیں یا زیادہ بہرحال دنیا کی زندگی کے پچاس ساٹھ' اسی سال کے وقت کی ابدالآباد کی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں اور دنیا کی زندگی کے سالوں میں سے کچھ بالغ ہونے تک میں صرف ہو گئے کچھ میں سے آدھی زندگی نیند میں بسر ہو گئی جو تھوڑا سا وقت بچا وہ کمانے خرچ کرنے اہل وعیال کی نگہداشت کی مصروفیتوں میں گزرا۔ انہی فطری مصروفیات میں دین پر استقامت دکھانے اور برائی کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر اللہ ساتھ ہو' اللہ کے نبی ﷺ کا کرم ہو' توجہ ہو' برکات ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ بندہ نافرمانی کر کے کفر کی طرف چلا جائے کیسے اس کے ایمان کی حفاظت نہ ہو و کیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم ایٰت اللّٰہ و فیکم رسولہ'. (آل عمران آیت ۱۰۱) اور تم کیونکر کفر کرو گے جبکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کے پیغمبر ﷺ موجود ہیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے ساتھ اللہ کا رسول ﷺ ہو تمہیں معیت رسالت حاصل ہو اور اتنے اہتمام کے ساتھ تم شیطان سے کیسے شکست کھا سکتے ہو۔

اللہ کریم ہمیں ان برکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے ایمان پر زندہ رکھے ایمان پر موت دے اور ایمانداروں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے۔

..........☆☆☆..........

کیا ہم فرض نبھا رہے ہیں؟

انور علی شاہ

اللہ والوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں سن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ ایک اہل اللہ نے فرمایا" اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ دو میں سے ایک کا انتخاب کرو، دو رکعت نماز ادا کرو یا جنت لے لو تو میں دو رکعت نماز ادا کروں گا اس لئے کہ دو رکعت نماز اللہ کی رضا کے لئے ہے جبکہ جنت میری رضا ہے اللہ کی رضا میری رضا سے افضل ہے" سبحان اللہ! لوگ اعمال صالح جنت کے لالچ میں کرتے ہیں مگر اہل اللہ کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل نعمت رضائے الٰہی ہے وہ میسر ہو تو جنت بھی مل جائے گی۔ جنت کے مالک سے رشتہ محبت استوار ہو گیا تو سمجھ لیں سب کچھ مل گیا۔

سلطان محمود غزنویؒ ایک جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد واپس پہنچے تو انہوں نے بیش قیمت تحائف اپنے دربار میں سجائے اور درباریوں سے کہا کہ جو شخص جس تحفے پر ہاتھ رکھے گا وہ اسی کا ہو گا۔ سب درباریوں نے اپنی اپنی خواہش اور پسند کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تحائف پر ہاتھ رکھے۔ ایاز نے تحائف کو پرکاہ اہمیت نہ دی اور سلطان محمود غزنویؒ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ تحائف اہم نہیں بلکہ تحائف لٹانے والا مالک اہم ہے۔ اہل اللہ جب رضائے الٰہی پر زور دیتے ہیں تو اُن کے پیش نظر بھی یہی ہوتا ہے کہ جنت سے بے نیاز ہو کر جنت کے مالک کا طالب ہو۔ انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ جب اللہ سے تعلق مضبوط ہو پھر جنت بھی یقیناً اپنی ہے۔

حضرت امیر المکرم مدظلہ العالی نے کئی بار ایک ولی اللہ کا ذکر کیا اُن کی عادت تھی کہ جو شخص بھی ان کے پاس جاتا اُسے کہتے قرآن سناؤ کوئی نیم خواندہ شخص آ جاتا تو کہتے کہ سورۃ فاتحہ جو نماز میں پڑھتے ہو وہی سنا دو۔ ایک بار کہنے لگے۔ "ہم جنت میں جائیں گے تو حوریں ہمارے پاس آئیں گی ہم انہیں کہیں گے بی بی! قرآن آتا ہے تو سناؤ ورنہ اپنی راہ لو"۔

حضرت مدظلہ العالی بڑے دکھی دل کے ساتھ کہتے ہیں کہ اُن کو تو حصول جنت کا یقین تھا، ہمیں یقین کیوں نہیں؟ یہ ایسا سوال ہے جو سیدھا دل میں جاتا ہے میں سوچ میں پڑ گیا کہ آخر ہمیں یہ یقین کیوں نہیں کہ ہم جنت میں جائیں گے۔

پہلا خیال جو ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ اچھے وقتوں کے لوگ تھے اُن کو رزق حلال میسر تھا، لوگ عموماً نیک تھے اور اہل اللہ متقی دنیاوی حرص سے دور۔ اس دور میں بنک کا سودی نظام بھی نہیں تھا ایسے میں اگر کسی اہل اللہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم جنت میں جائیں گے تو کون سی بڑی بات ہے؟ دل نے اس خیال کو فوراً رد کر دیا کہ یہ تو "خو بدرا جہانہ بسار" والی بات ہوئی اگر آج ہم نیک بننا چاہیں تو کون روکتا ہے؟ ہم سود نہ کھانا چاہیں تو کون مجبور کرتا ہے؟ علاوہ ازیں ہمیں سلسلہ عالیہ کی برکات نصیب ہیں۔ ہم ذکر کرتے ہیں، ہمیں برکات نبویؐ شیخ المکرمؒ کی وساطت سے نصیب ہوتی ہیں پھر کیا بات ہے کہ ہمیں حصول جنت کا یقین نہیں!۔

غور کیا تو قرآن مجید کی یہ آیت ذہن میں آئی۔ والعاقبۃُ للمتقین (عاقبت تو متقین کے لئے ہے) بات واضح ہو گئی کہ اگر ہمیں حصول جنت کا یقین نہیں تو اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اہل تقویٰ میں سے نہیں۔ اہل تقویٰ کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ مگر "المرشد" میں حضرت

مدظلہ العالی کے بیان پر نظر پڑی۔ انہوں نے فرمایا ''تقویٰ اللہ اور بندے کے درمیان ایک تعلق کو کہتے ہیں۔ تقویٰ اللہ سے' اپنے خالق سے اپنے مالک سے' اپنے رب سے اس رشتے کو کہتے ہیں جس میں بندہ اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے لرز جائے۔ تقویٰ اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرنے کا نام ہے۔ تقویٰ عشق ہے جنوں ہے اور اللہ کریم سے ایسا تعلق ہے کہ سب کچھ اس کے لئے قربان کرنا آسان ہو۔ اس سے تعلق مجروح ہونا قبول نہ ہو۔''

اللہ سے ایسا رشتہ کیسے استوار ہو۔ قرآن نے اس کا جواب بھی بالکل واضح انداز میں دیا قل ان کنتم تحبون اللہ فتبعونی۔

(آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) یعنی بندے کو اللہ سے عشق کا رشتہ استوار کرنا ہو تو شریعت رسالت مآبﷺ پر چلنا ہوگا۔ دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

اب بات آگئی اتباع رسالت مآبﷺ پر۔ ہمیں خوب علم ہے کہ تعلیمات نبویﷺ کی ترویج و تقسیم علماء حق کے سپرد ہیں۔ مگر تعلیمات نبویﷺ پر پورے خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونا برکات نبویﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شیخ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام اہل اللہ قرآن' حدیث فقہ اور دیگر دینی علوم کی تکمیل کے بعد کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے تاکہ تعلیمات نبویﷺ کے ساتھ ساتھ برکات نبوت بھی حاصل کریں۔ فتبعونی کے تقاضے اسی وقت پورے ہوتے ہیں جب طالب برکات نبویﷺ شیخ کے قلب سے حاصل کرے۔ یہی وہ سٹیم ہے جو تعلیمات نبویﷺ پر عمل پیرا ہونے میں مدد و معاون ہوتی ہے۔

اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ شیخ کامل کی بدولت ہی برکات نبویﷺ کا حصول ممکن ہے۔ برکات نبویﷺ نصیب ہو جائیں تو تعلیمات نبویﷺ پر عمل ممکن ہے جو اتباع رسالت مآبﷺ کے لئے ضروری ہے جس سے تعلق مع اللہ اور رضائے الٰہی نصیب ہوتا ہے تعلق نصیب ہو تو اللہ سے تقویٰ کی دولت ملتی ہے تقویٰ والی سیڑھی پر چڑھ جائیں تو جنت سامنے نظر آتی ہے اس سارے عمل میں مرکزی کردار شیخ کی ذات ہے بنیادی شرط یہ ہے کہ شیخ سے رشتہ مضبوط ہو۔ اگر یہ رشتہ کچے دھاگے کی طرح ہو تو نہ برکات نبویﷺ نصیب ہوں گی نہ اللہ سے تعلق اور رشتہ استوار ہوگا نہ تقویٰ کی دولت نصیب ہوگی نہ عاقبت سنورے گی اور نہ ہی حصول جنت کا یقین ہوگا۔

ہم وہ خوش نصیب ہیں جنہیں حضرت امیر المکرم مدظلہ العالی کی شکل میں جلیل القدر شیخ نصیب ہیں جو نائب الانبیاء ہیں' جو روئے زمین پر پھیلے ہوئے سلسلہ عالیہ کے متوسلین کو توجہ دیتے ہیں اور برکات نبویﷺ ان کے قلوب میں انڈیلنے کا سبب بنتے ہیں انہی برکات سے توفیق عمل نصیب ہوتا ہے اور سالک کی عاقبت سنور جاتی ہے مگر کیا ہم نے اپنے شیخ کو پہچانا؟ احترام شیخ کے تقاضوں کو سمجھا؟ کیا ہم نے اُن کے مشن کو سمجھا؟ کیا ہم نے اس مشن کی تکمیل کے لئے دل و جان سے تعاون کیا؟ کیا ہم اللہ کے بندوں کے لئے برکات نبویﷺ کی ترسیل کا سبب بنے؟ اگر ہم نے یہ سب کچھ کیا تو پھر

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہمارا طرز عمل ایک شاگرد رشید کا سا ہے یا اس نالائق طالب علم کا سا جو اپنی مرضی سے کالج کا رُخ کرتا ہے۔ جب جی چاہے پیریڈ چھوڑ دیتا ہے۔ استاد کا احترام نہیں کرتا۔ جب ناراض ہو بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہم نے احترام شیخ کے تقاضوں کو نہ سمجھا اور عظمت شیخ سے ناآشنا رہے اگر ہم کفران نعمت کرتے رہے تو حصول جنت تو دور کی بات ہمیں جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی اور پتہ نہیں ہمارا انجام کیا ہوگا۔ کیا خیال ہے احباب سلسلہ عالیہ کا بیچ اس مسئلے کے؟......☆☆......

انفاق فی سبیل اللہ:

”ویسئلونک ماذا ینفقون ہ اور یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ آخر اللہ کی راہ میں ہم کتنا خرچ کریں۔ قل العفو آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ جو آپ کی ضرورت سے زائد ہو' جو آپ آسانی سے خرچ کرسکیں' جسے خرچ کرنے سے آپ کا کاروبار تباہ نہ ہو اور آپ کی روزمرہ کی زندگی خراب نہ ہو۔ جسے خرچ کرنے سے آپ بچوں کا پیٹ پالنے سے محروم ہو جائیں یا گھر کی ضروریات سے محروم ہو جائیں وہ خیرات نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کریں لیکن اس قدر جو آپ کی ضرورت سے زائد ہو اور جو آپ آسانی سے دے سکتے ہوں“۔

ماخوذ از ”اکرم التفاسیر“

تعاون

احمد دین

ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینو فیکچررز

آف پی سی یارن

پُل کوریاں' سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-266757

حضرت عمر فاروقؓ اور تصوف

ڈاکٹر غلام محمدؒ
☆ ....بشکریہ ماہنامہ ''حکمت بالغہ''

حضرت عمر اور تصوف؟ بظاہر عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے ذہن کے پردہ پر یہ تصویر اصل سے کچھ مختلف نظر آتی ہے مگر سچ مانئے قصور عکس وشبیہ کا نہیں' بلکہ پردہ ذہنی کا ہے ذہن کا جھول دور ہو اور فکر کی سلوٹیں نکل جائیں تو آپ ہی آپ انکار اقرار میں بدل جائے گا' اس لئے پہلے ضرورت اصلاح فکر کی ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب خلیفہ راشد تھے اور ان کی حکومت خلافت راشدہ تھی منہاج نبوت کے عین مطابق تھی مگر جو لوگ یہ سب کچھ مانتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ ''خلیفہ راشد'' کون ہوتا ہے ''خلافت راشدہ'' کیا ہوتی ہے اور رہا ''تصوف واحسان'' اس کا صحیح منشاء ومفہوم تو خود عام مدعیان تصوف کو بھی کم ہی معلوم ہے تو اوروں کا کیا ذکر' اس لئے پہلے ان تین اصطلاحوں کا حقیقی مفہوم پیش کرنا ضروری ہے تا کہ ظاہر بین نگاہ حقیقت کو پاسکے۔

1- خلافت راشدہ دراصل نبوت محمدی کا تمتہ ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے ایام خلافت بحقیقت ایام نبوت بود لیکن وحی از آسمان فرونمی آمد (۱)

''زمانہ خلافت زمانہ نبوت ہی تھا مگر (فرق صرف یہ تھا کہ اب آسمان سے وحی نہ آتی تھی''۔

خلیفہ راشد مراتب ولایت کے اوج وانتہا پر ہوتا ہے۔ شاہ صاحب ہی کی مستند زبان، میں خلیفہ راشد وہ ہے کہ جوہر نفس اوشبیہ جوہر نفس انبیاء آفریدہ باشد ودر قوت عاقلہ اونمونہ وحی ودیعت نہادہ باشد وآں محدثیت است' ودر قوت عاملہ اونمونہ از عصمت گذاشتہ وآں صدیقت است وفرار شیطان از ظل او' الا آنکہ استعداد نفس اوخواب آلود است تا پیغمبر ایقاظ آں نکند بیدار نہ شود۔ (۲)

''جس کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس کے مشابہ پیدا کیا گیا ہو اور اس کی عقلی قوت میں وحی کی مشابہت رکھی گئی ہو جو محدثیت کہلاتی ہے اور اس کی عملی قوت میں عصمت (انبیاء) کی مشابہت ہو جو صدیقیت کہلاتی ہے اور شیطان اس کے سایہ سے بھاگے البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے نفس میں یہ صلاحیت اس وقت تک سوئی رہتی ہے جب تک پیغمبر اس کو جگا کر بیدار نہ کردے''۔ (۳)

خلیفہ راشد اپنے دور میں امت کا افضل ترین فرد ہوتا ہے شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے الفاظ ہیں ازلوازم خلافت خاصہ آن است کہ خلیفہ افضل امت باشد در زمان خلافت خود عقلاً ونقلاً (۴)

3- ''خلافت راشدہ کے لوازم سے ایک یہ ہے کہ خلیفہ اپنے وقت میں تمام امت سے افضل ہو عقلی اور نقلی دونوں دلائل سے''۔

4- قرن اول میں علوم تفسیر' حدیث اور فقہ کی طرح ''تصوف'' (یا نبوی اصطلاح میں احسان) کی اصطلاحات اور اس فن کی تدوین بلا شبہ نہیں ملتی مگر اس کے صحیح مصداقات سب وہاں موجود ہیں اس لئے دور صحابہ میں لفظ واصطلاح کو نہ پاکر ان کی اصل وحقیقت کا انکار نادانی ہے۔

5- فیضان نبوی کے اثرات سے صحابہ کا سلوک نہایت مخفی اور بہت

مختصر تھا اس لئے سلوک کی تفصیلات وہاں نظر نہیں آتیں مگر حاصل سلوک صاف طور پر وہاں دیکھا اور پایا جا سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اوشاں ایں نعمت عظمی ونسبت عزیز الوجود در قدم اول بہ ظہوری آید (۵)

''ان حضرات (صحابہؓ) پر یہ نعمت عظمی اور نسبت نادرہ پہلے ہی قدم میں ظاہر ہو جاتی ہے۔

6- طریق تصوف کا حاصل اور منتہا سیدی وسید العلماء حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کا زبان اعجاز میں بیان یہ ہے۔

''ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیا کی اصطلاح میں اس کو'نسبت'' کہتے ہیں اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یحبھم ویحبونہٗ اور رضی اللہُ عنھُم ورضواعنہُ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔ یا ایھا النفسُ المطمئنۃُ ارجعی الی ربک راضیۃً مرضیۃً انہی کے لئے نوید بشارت ہے''۔ (۶)

پہلے تین توضیحی مقدمات سے یہ بات ذہن میں جم جانی چاہیے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے جتنے کمالات ظاہر وباطن ہیں ان کی اصل ان کے ''جوہر نفس'' کا کمال ان کی ''قوت عاقلہ' عاملہ'' کی مخصوص کسبی نہیں بلکہ وہبی استعداد ہے اور ان کی فتوحات اور ملکی نظم ونسق کے کارنامے' عام حکمرانوں اور ملک گیروں سے اپنی اصل وحقیقت میں بالکل الگ غیر معمولی روحانی قوت اور ربانی تائیدات کا کرشمہ تھے۔ مگر اہل ظاہر کی نگاہ اس باریکی تک نہ پہنچ سکی اور انہوں نے عمر فاروقؓ کو فاتح اعظم' مصلح اعظم' ماہر نظم ونسق تسلیم کر کے گویا اعتراف عظمت کا حق ادا کر دیا حالانکہ اس سے خلافت راشدہ کی تقدیس او خلیفہ راشد کے مرتبہ روحانی اور عظمت ایمانی کا کچھ بھی حق ادا نہ ہوا بلکہ تعریف میں تنقیص کا پہلو پیدا ہو گیا۔

ایں نہ مدح است اوگر آگاہ نیست

جب تک نگاہ ایمانی میسر نہ ہو ظاہر کی یکسانیت خود مسلمان کے لئے بھی وجہ حجاب ہی بنی رہتی ہے۔

آب تلخ و آب شیریں ہم عنان

درمیان شاح برزخ لا یبغیان

(رومی)

بہر کیف ان تین مقدمات کو سمجھنے کے بعد بقیہ چار توضیحی مقدمات کی روشنی میں تصوف وسلوک سے متعلق جو غلطیاں یا غلط فہمیاں ذہن میں تھیں وہ بھی دور ہو چکی ہوں گی اور یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ رہ گیا ہوگا کہ حاصل تصوف یعنی ''مقام رضا'' میں تمکن تو دراصل حضرت عمرؓ اور انکے رفقائے مقدس ہی کا حصہ تھا اور وہی اس رتبہ عالی کی الٰہی سند بھی رکھتے تھے۔ رضی اللہ عنھم ورضواعنہُ۔ ورنہ اوروں کے حق میں تو یہ بات ظن غالب سے زائد درجہ کی نہیں اس روشنی فکر و نظر کو لئے ہوئے اب سیرت عمرؓ کے خاص خاص باطنی پہلوؤں پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ فاروق اعظم' صوفی اعظم اور محسن اعظم تھے ان کے جوہر نفس میں انبیاء کے جوہر نفس سے مشابہت تھی وہ محدث تھے' یعنی مہمات امور کی فہم میں وہ عام قوت فکریہ کے محتاج نہ تھے بلکہ اعلی ترین الہامات ربانیہ سے انکی دستگیری اور رہنمائی ہوتی رہتی تھی اور انکے سایہ سے شیطان بھاگتا تھا۔ یہ سب ان کے معنوی کمالات ہی تھے جو فن تصوف واحسان کے تحت آتے ہیں اور انہی کا اجمالی تعارف ہمارے موضوع کا منشاء ہے۔

حضرت عمرؓ کا جوہر نفس

ہر انسان کا ''شاکلہ'' یا اسکی طبعی استعداد ایک مانگی عطائے ربانی ہے حکمت الٰہیہ نے جو چاہا بنایا (یخلق مایشاء) اسی وہبی استعداد کے

مطابق انسان ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔ (کل یعمل علیٰ شاکلتہ) اعلیٰ سے اعلیٰ مربی بھی بس جوہر استعداد ہی کو چمکا سکتا ہے۔ نیست کو ہست کر دینا کسی کے بس کی بات نہیں حضور اکرم ﷺ کے ارشاد خیارکم فی الجاھلیتہ خیارکم فی الاسلام (تم میں جو جاہلیت میں اچھے تھے اسلام میں بھی اچھے ہیں) میں اسی رمز کا اظہار ہے اس حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ کی طبعی استعداد یا ان کے جوہر نفس کو دیکھئے تو آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔ اللہ اللہ کیا جوہر ہے اور کیسی استعداد کہ وحی ربانی کے چند کلمات کان میں پڑتے ہی دل میں اُتر جاتے ہیں، رگ و پے میں بجلیاں بھر جاتی ہیں اور کائنات ہستی جاگ اُٹھتی ہے یکاد زیتھا یضی ولو لم تمسسہ نار (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی چھوئے)

پھر یہی نہیں بلکہ بارگاہ نبوت کی پہلی حاضری اور نگاہ نبوی کے پہلے ہی فیضان میں جوہر فاروقی کو وہ جلا ملی کہ وحی الٰہی سے کامل مناسبت اور خاص ربط دفعتاً پیدا ہو گیا ان کی زبان حق ترجمان بن گئی اور وہ اتنے بلند ہو گئے کہ خاتم الانبیاءؐ نے ان کے جوہر نفس کی تعریف یوں فرمائی لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (۸) ''میرے بعد (بالفرض) اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے'' اس کے صاف معنی یہی تو ہوئے کہ ذات محمدی ﷺ پر نبوت کا ختم ہو جانا الگ بات ہے ورنہ وہ استعداد یا وہ شاکلہ اور جوہر نفس جو منصب نبوت کے لئے ضروری ہے وہ یہاں موجود تھا اسی شرف خاص کا اظہار شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے یوں فرمایا کہ ''جوہر نفس اور شبیہ جوہر نفس انبیاء آفریدہ باشد'' اہل ظاہر کا بڑا ظلم ہے کہ ان کمالات کو جو اس اعلیٰ ترین روحانی استعداد کا کرشمہ تھے، حضرت عمرؓ کے مخصوص عقل و فکر کا کرشمہ سمجھتے ہیں اور اپنی دانست میں ان کی تعریف کا حق بھی ادا کرتے ہیں

این نہ مدح ست اوگر آگاہ نیست

دست نبوی کی جلا بخشی

جوہر نفس کا اندازہ کچھ ہو چکا اب نگاہ کا رخ اس طرف کیجئے کہ یہ جو ہر کس کے ہاتھوں سے ترش رہا ہے ہادی اعظم نبی خاتم ﷺ جن کی ایک اچٹتی نگاہ حدف کو نگین بنا دے وہ حضرت عمرؓ پر توجہ فرما رہے ہیں زبان مبارک پر دعا ہے دست پاک سے جلا بخشی ہو رہی ہے اور قلب فیض گنجینہ سے نور معرفت عطا ہو رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اس وقت سن شعور میں تھے اپنے والد ماجد کی بارگاہ رسالت پناہ میں اس پہلی حاضری کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ ضرب صدر عمر بن الخطاب بیدہ حین اسلم ثلاث مرات وھو یقول اللھم اخرج مافی صدرہ من غل وبدلہ ایماناً یقول ذلک ثلاثاo (۹)

''تحقیق کہ رسول ﷺ نے عمر بن خطاب کے سینہ پر تین مرتبہ دست فیض پھیرا جب وہ اسلام لائے اور تین بار یہ دعا فرمائی کہ ''اللہ اس کے سینے میں جو کھوٹ ہو اسکو دور فرما اور اسکے بجائے ایمان بھر دے'' جوہر بھی بے مثل اور جوہری بھی بے نظیر، نتیجہ یہ کہ آناً فاناً جہل و ظلم گیا، علم و عرفان آیا، غفلت مٹی، حضوری ملی اور ذات حق سے وہ نسبت عالی اور ربط لازوال قائم ہو گیا جو صحابہ کے زمرہ عالی میں بھی اعلیٰ وارفع تسلیم کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے الفاظ میں استعداد نفس خواب آلود تھی، پیغمبر کے جگانے سے جاگ اُٹھی اور قوت عاقلہ میں جو وحی سے مشابہت ودیعت تھی اور قوت عاملہ میں جو عصمت سے مشابہت رکھی گئی تھی وہ اب نمایاں ہو گئی۔

زبان وقلب عمرؓ

چنانچہ اب حضرت عمرؓ کی زبان مبارک اور ان کا قلب اطہر اظہار حق کا معیار اور شناخت حق کی کسوٹی بن گئے تھے صحابہ کرامؓ کا ارشاد ہے

کہ حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں جب عمر فاروق ؓ کچھ فرماتے یا ان کی رائے کسی جانب ہوتی تو ''قرآن حضرت عمرؓ ہی کی رائے کے موافق نازل ہوتا'' خود محمد عربی (فداہ روحی) کا ارشاد بھی اس ضمن میں یہ رہا۔

ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ

''اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان اور قلب پر موقوف فرمادیا ہے'' (۱۰)

محدثیت یا موافقات عمرؓ

علمائے ربانی نے ایسے پندرہ مواقع گنائے ہیں جن میں قرآن پاک نے حضرت عمرؓ کی یا تو رائے کی تائید کی ہے یا ان کی حسب مراد آیت اتر آئی ہے یا لفظ بہ لفظ ان کا قول وحی الٰہی بن گیا ہے جو ان کی ''محدثیت'' کی کھلی دلیل ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں ان تین قسم کی تائیدات یا ''موافقات'' کی صرف ایک ایک مثال ملاحظہ ہو۔

1- رائے کی تائید بدری قیدیوں کے متعلق صدیق اکبرؓ فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا مشورہ دے رہے تھے اور عمر فاروقؓ ان کے قتل پر مصر تھے' رحمت عالم کا رجحان صدیق اکبرؓ ہی کی طرف تھا مگر وحی الٰہی جو آئی تو حضرت عمرؓ کی تائید لئے ہوئے۔

ما کان لنبی ان یکون لہ' اسری ان اللہ غفور' رحیم'. (الانفال)

2- مراد کی تکمیل۔ آیت حجاب اترنے سے پہلے کاشانہ نبوت میں ہر کوئی آتا جاتا تھا' حضرت عمرؓ کو یہ بات اچھی نہ لگی حضور نبویؐ میں عرض رسا ہوئے کہ یہ سلسلہ بند فرمادیا جائے اور ازواج مطہرات بھی پردے کے بغیر باہر نہ نکلا کریں نبی اکرم ﷺ اس مشورہ پر حکم الٰہی کے منتظر ہو کر خاموش ہو رہے ہیں۔ ایسے میں سورۃ احزاب کی آیت حضرت عمرؓ کے حسب مراد اُتر آئی۔

واذا سالتموھن متاعاً فاسئلو ھن من وراء حجاب.

قول کی قبولیت۔ عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جب سورۃ مومنون کی آیت ولقد خلقنا الانسان من سلالۃٍ من طین'' نازل ہوئی تو ایک کیف عبدیت میں ڈوب کر زبان عمر سے بے ساختہ نکلا ''فتبارک اللہ احسن الخالقین'' اور فوراً ہی جبرائیل امین اس قول کی مقبولیت کا مژدہ لے کر نازل ہوئے' حضور اکرمؐ نے فرمایا ''اے عمر جو فقرہ تمہاری زبان سے نکلا' وہی خدا نے بھی نازل فرمایا'' اللہ اکبر کیا الہام ہے کہ وحی متلو کا شرف پایا گیا۔ یہ ہے ''وحی الٰہی سے مشابہت'' کی شان اور یہ ہے ''قوت عاقلہ'' کا وہ امتیاز جو خلفائے راشدین کا امتیاز تھا۔

معرفت الٰہیہ

حضرت عمرؓ کی فراست وفطانت کا اعتراف اپنے پرائے سب ہی کو ہے اسی طرح ان کی ''اولیات'' یعنی جن امور کی پہل کا سہرا ان کے سر ہے' خواہ وہ مسائل دین سے متعلق ہوں یا تدبیر مملکت سے متعلق' ان کی فہرست بھی ایک منفرد نوعیت کی چیز ہے سیرت فاروقی کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کا حق علامہ شبلی نعمانی نے خوب ادا کیا ہے اس لئے اسکی تفصیل تحصیل حاصل ہے یہاں صرف فاروق اعظم کی معرفت آگاہی یا ان کے ''علم باللہ'' اور اسکی عزلت خاص کی طرف اشارہ مقصود ہے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالت شان کو ذہن میں رکھیئے اور پھر ان کے جچے تلے الفاظ کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کیجئے حضرت عمرؓ کی وفات پر فرمارہے ہیں۔

لمامات عمر انی لا حسب انہ قد ذھب بتسعت اعشار العلم قیل لہ تقول ھذا وفینا جملتہ من الصحابتہ قال لیس اعنی العلم الذی تریدون وانما اعنی العلم باللہ تعالیٰ. (۱۱)

''جب عمرؓ نے وفات پائی تو میں نے سمجھا کہ علم کا نو بٹے دسواں حصہ

چلا گیا' لوگوں نے کہا آپ یوں کہتے ہیں حالانکہ ہم میں تمام صحابہ موجود ہیں' فرمایا علم سے جو تم مراد لیتے ہو وہ میری مراد نہیں بلکہ میری مراد ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم''

خشیت الٰہی

ہم نے آخری توضیحی مقدمہ میں بتایا ہے کہ تصوف اور احسان کا منتہا 'مرضی عبد اور مرضی حق میں یگانگت کا پیدا ہو جانا ہے اور حضرات صحابہ کی توصیف قرآن پاک میں اسی سے کی ہے کہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنه' مگر خود اس رضائے صحابہ کو خشیت الٰہی کا ثمرہ قرار دیا گیا ہے **ذلک لمن خشی ربه** اب چونکہ حضرت عمرؓ صحابہ کرام کے زمرہ میں امتیازی شان کے مالک ہیں اس لئے ان کی سیرت میں صفت خشیت کا ظہور بھی خاص ہی ہونا چاہئے اور ہوا، ان کی ایک ایک ادا خشیت الٰہی میں ڈوبی ہوئی تھی مگر عام طور پر ارباب سیر نے اس پہلو کو پوری طرح نہ دیکھا نہ دکھایا اور ہمارے لئے بھی اس پورے دفتر کا کھولنا مشکل ہے البتہ ''مشتے نمونہ است از خروارے'' چند باتیں پیش ہیں ان سے حضرت عمرؓ کے خوف وخشیت الٰہی کا اندازہ ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یوں فرمایا کرتے تھے۔

لومات جدی بطرف الفرات (ای شاطه) لخشیت ان یحاسب الله به عمر (۱۲)

''اگر بکری کا بچہ فرات کے کنارے پر مرجائے تو میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ اسکا محاسبہ عمر سے نہ کر بیٹھے''

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور فرمایا

لیتنی لم اخلق لیت امی لم تلدنی لیتنی لم اکن شیاء لیتنی کنت نسیا منسیا. (۱۳)

''کاش میں پیدا نہ ہوتا' کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی' کاش میں کچھ نہ ہوتا کاش میں نیست ونابود ہو گیا ہوتا''

یہ ہے ایک خلیفہ راشد اور اس امیر المومنین کے خوف وخشیت کا حال جس کے رعب وجلال سے کائنات لرزتی تھی یہ عام سلاطین اور آمروں کی مصنوعی صولت وشوکت نہیں تھی بلکہ خاص ہیبت الٰہیہ کا اثر تھا جو ذات عمرؓ پر چھا گئی تھی اور ظاہری حشم وخدم سے بے نیاز کل ماحول کو متاثر کر رہی تھی۔ بقول عارف رومی

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب ولق نیست

بہر کیف اس خشیت الٰہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو رات کو نیند میسر تھی نہ دن کا چین' دن کو رعایا کے حقوق کا خیال نچلا نہ بیٹھنے دیتا تھا اور رات کو اپنے نفس کے محاسبہ سے نیند اچاٹ ہو جاتی تھی خود فرماتے تھے۔

اذا نمت فی الیل ضیعت نفسی وان نمت فی النهار ضیعت رعیتی. (۱۴)

''اگر میں رات کو سو جاؤں تو میں نے اپنے نفس کو برباد کیا اور اگر دن کو سو جاؤں تو میں نے اپنی رعایا کا نقصان کیا''۔

اس خوف سے اس قدر رویا کرتے تھے کہ عبداللہ بن عیسیٰ فرماتے ہیں

کان فی وجه عمر خطان اسودان من البکاء(۱۵)

''حضرت عمرؓ کے چہرہ پر دو آنسوؤں کے بہنے سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں'' اور خوف وخشیت کا اثر کچھ وقتی نوعیت کا نہ تھا بلکہ پورے دور حیات پر چھایا ہوا تھا حتیٰ کہ عین اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کو اسی کرب وبلا میں مبتلا یہ گڑگڑاتے سنا گیا۔

ویلی وویل امی ان لم یغفر الله لی(۱۶)

بربادی ہے میری اور میری ماں کی اگر اللہ نے مجھ کو نہ بخشا۔

یہ چند باتیں اظہار مدعا کے لئے بس ہیں تفصیل دیکھنا ہو تو سیرۃ عمر.

بن الخطاب مولفہ شیخ علی الطنطاوی وناجی الطنطاوی قابل دید ہے۔

احتساب نفس

خشیت کا لازمی اثر احتساب نفس ہے' حضرت عمرؓ کے حکام اور رعایا پر احتساب نفس کے کارنامے بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر توجہ اس طرف بہت کم مبذول رہتی ہے کہ وہ خود اپنے نفس کے کتنے بڑے محتسب تھے۔ اس احتساب کا صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ امیر المومنین ہیں ایک روز ممبر پر چڑھتے ہیں' نظر ہر آن اپنے نفس پر جمی ہوئی ہے نہ جانے کیا تغیر محسوس ہوا کہ بھرے مجمع میں اپنے نفس پر زجر کرتے ہوئے فرمایا ''ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اس کے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں اور آج یہ زمانہ ہے'' بس یہ فرما کر ممبر سے اُتر آئے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے کہا تو یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی۔

فرمایا ''تنہائی میں میرے دل نے کہا تم امیر المومنین ہو تم سے افضل کون ہو سکتا ہے اس لئے میں نے چاہا کہ اسکو اپنی حقیقت بتا دوں۔'' (۱۷)

اظہار نعمت یا شکرانہ نعمت

اس احتساب کے ساتھ کسی عطائے ربانی کا اظہار کیا جائے تو وہ اما بنعمته ربک فحدث کے امر ربانی کی محض تعمیل ہے' اس نزاکت کو بجز ماہرین تصوف کے نہ کوئی جان سکتا ہے نہ پہچان سکتا ہے کہ اظہار فخر کیا ہے اور تحدیث نعمت کیا ہے؟ دیکھئے حضرت عمر تخت خلافت پر آچکے ہیں اور صحابہ کرام کے مقدس مجمع سے مخاطب ہیں' اپنی اس فضیلت خداداد کا شکرانہ اور خلافت راشدہ کے مقام ومنصب کا اظہار کس قدر صاف وصریح الفاظ میں فرمارہے ہیں۔

الحمدلله الذی صیرنی بحیث لیس فوقی احد (۱۸)

''تعریف اس خدا کی جس نے مجھے ایسا بنادیا کہ آج مجھ سے برتر کوئی نہیں''۔ اس اظہار ''لیس فوقی احد'' کو سن کر سب سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں' اور سب کے سب حضرت عمرؓ کی ظاہر معنوی' قالبی وقلبی' حکومتی اور روحانی فضیلت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں ورنہ اس مجمع مقدس کا ایک ایک فرد حق کے معاملہ میں اس قدر بیباک تھا کہ فوراً ٹوک دیتا کہ اے عمر! تمہاری ظاہری برتری مسلم مگر باطنی پیشوائی کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ مگر جب کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا تو اپنے دور میں حضرت عمرؓ کی فضیلت ہر اعتبار سے ثابت ہوگئی اور معلوم ہوا کہ دور خلافت میں قاسم ازل اپنے عطا کی تقسیم انہیں کے ہاتھوں کروا رہا ہے' خواہ وہ مال غنیمت ہو یا انوار ولایت ہوں۔ اسی جامعیت کمال کی طرف شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ ''از لوازم خلافت خاصہ آن است کہ خلیفہ افضل امت باشد در زمان خلافت خود''۔

فرار شیطان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خلافت راشدہ کے روحانی کمالات کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ''فرار شیطان از ظل او'' اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے متعلق تو ان کے اس وصف کی تصدیق خود نطق نبوی سے حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

یا عمر مالقیک الشیطان سالکا فجاالا سلک فجاً غیر فجک.

اے عمر! جب شیطان تم سے کسی راستہ میں ملتا ہے تو راستہ بدل دیتا ہے''۔

اس کے صاف معنی یہی ہوئے کہ مظہر ہدایت کے سامنے مظہر ضلالت کی کیا مجال ہے کہ ٹھہر سکے اور یہی ہم پورے زور وقوت سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ روحانی ترفع ہے کہ وہ ہدایت ربانی کے مظہر بن گئے تھے اس لئے ان سے ہدایت ہی ہدایت پھیلتی رہی۔ اہل

ظاہر کی نظر فاروقی کارناموں پر تو کچھ ہے بھی مگر نفس فاروقیت پر بالکل نہیں۔

اصطلاح ومحاورہ تصوف میں چند باتیں

اب تک ہم نے حتی الامکان اصطلاح اور محاورہ فن سے بچتے ہوئے سیرت فاروقی میں تصوف کے حقائق کی نشاندہی کی ہے اب کچھ اصطلاح میں گفتگو کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ ''مراد'' ہیں

اہل نظر کے نزدیک تو حضرت عمرؓ کا امتیاز دور خلافت پر منحصر ہے مگر صوفیانہ نگاہ ان کے امتیاز کو قبل خلافت ہی نہیں بلکہ ان کے اصل جوہر انکی ابتداء میں دیکھتی ہے' وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اسلام میں ''مرید'' ہو کر نہیں آئے بلکہ ''مراد'' بن کر آئے ہیں ان کو حضور پاک ﷺ کی دعا نے کھینچا۔ حضور نے ان کو اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر مانگا تھا۔

اللھم اعز الاسلام باحب ھذین الرجلین الیک بابی جھل او عمر بن خطاب (۱۹)

اے اللہ! ابو جہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے محبوب ہو اس سے اسلام کو عزت دے۔

چنانچہ جب اس دعا کی قبولیت نے ظہور کیا اور نگاہ رب العزت میں عمر بن الخطاب ہی محبوب ٹھہرے اور انہی کے ذریعے دین کی عزت افزائی مقدر ٹھہری تو ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر جبرائیلؑ آئے اور بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ''آسمان کے لوگ آپ کو عمر کے اسلام لانے پر بشارت دیتے ہیں'' مرادیت عمر کی یہ کس قدر کھلی اور مستحکم دلیل ہے۔

حضرت عمرؓ ''مجذوب سالک'' ہیں

فن سلوک وتصوف کے واقف کار جانتے ہیں کہ جو ''مراد'' ہوتا ہے اس کو دولت ''جذب'' پہلے ملتی ہے اور مدارج سلوک کی سیر بعد میں کرائی جاتی ہے یہی ''محبیت'' کی نشانی ہے اور اسی کو اصطلاح میں ''مجذوب سالک'' کہا جاتا ہے لہذا حضرت عمرؓ بھی مجذوب سالک ہوئے' چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی پوری صراحت سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو سالک مجذوب ہیں مگر بقیہ تینوں خلفاء کا حال یہ ہے کہ

فان جذبھم مقدم علی سلوکھم کما ھو حال حضرۃ الرسالتہ المصطفویتہ علیہ وعلی الہ الصلوت والسلیمات

یعنی ان حضرات ثلاثہ کا جذب ان کے سلوک پر اس طرح مقدم ہے جیسے خود حضرت رسالت پناہ ﷺ کا حال ہے۔

حضرت عمرؓ ''قدم موسیٰ'' پر

یہ تو سب ہی مانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی ذات اقدس کو ابراہیمیت موسویت اور عیسویت والی جامعیت کا خاص شرف حاصل ہے البتہ حضور اقدس ہی کے فیضان روحانی سے پچھلے انبیاء کی طرح اگلے اولیاء کاملین میں بھی کسی میں حضرت نوحؑ والے غیظ وغضب کا جلال' کسی میں موسوی حکومت وسطوت کا شکوہ' کسی میں عیسوی زاہد وعفو کا جمال نمایاں دیکھا جاسکتا ہے۔ صوفیا کرام اپنی بولی میں افراد امت محمدیہ کے ان شئون کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ ''قدم نوح'' پر ہیں' فلاں ''قدم موسیٰ'' پر اور فلاں ''قدم عیسیٰ'' پر۔ صوفیا کے اس نقطہ نظر سے سیرت عمر کا جائزہ لیا جائے تو اس میں یہ تمام خشیت وزاہد' تنظیم ملت' حکومت وسطوت اور جاہ وجلال کی خصوصیت اس قدر نمایاں نظر آتی ہے کہ ہم بلا پس وپیش یہ کہہ سکتے ہیں کہ فاروق اعظم ''قدم موسیٰ'' پر ہیں اور یہ بات کم از کم حضرات شیخین اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے بارے میں تو محض صوفیا کے کہنے کی نہیں ہے بلکہ نطق نبوی سے اس کی کھلی تائید مل جاتی ہے دیکھئے

غزوہ بدر میں جب کفار قریش گرفتار ہو کر آئے تو آنحضرتؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے کہا کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے خاندان اور قوم کے ہیں ان پر رحم فرمایئے۔ آپ نے ان مشوروں کو سن کر فرمایا کہ ایک فریق (یعنی ابن رواحہ اور عمر) اپنے پہلے بھائیوں نوح اور موسیٰؑ کی طرح ہے نوحؑ نے کہا پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی گھر بسانے والے کو مت چھوڑ اور موسیٰؑ نے کہا ہمارے پروردگار ان کی دولت ملیا میٹ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے اور دوسرا فریق (یعنی ابوبکر) ابراہیم کی طرح ہے ابراہیم نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی تو تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور عیسیٰؑ کی طرح ہے کہ عیسیٰؑ نے کہا کہ اگر تو نے ان کو سزا دی تو وہ تیرے بندے ہیں اور تو معاف کر دے تو تو قدرت والا اور حکمت والا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت عمرؓ کو حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی نذیری شان اور حضرت ابوبکرؓ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی بشیری شان کی مثال میں ظاہر فرمایا''

حضرت عمرؓ ''قطب ابدال'' تھے

حضرت عمرؓ کا قدم موسیٰؑ پر ہونا ثابت ہو چکا اور یوں بھی چشم بصیرت پر ظاہر ہی تھا لیکن اگر سوال یہ کیا جائے کہ خود نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کا روحانی رتبہ کیا تھا' تو اس کا جواب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ملے گا' اپنے مشہور رسالہ معارف لدنیہ میں معرفت کے تحت حضرت مجدد نے پہلے تو ''قطب ارشاد'' اور ''قطب ابدال'' کے فرق کو واضح فرمایا ہے کہ ایمان' ہدایت' نیکیوں کی توفیق' برائیوں سے توبہ یہ ''قطب ارشاد'' کے فیوض کا نتیجہ ہیں اور قطب ارشاد ''قدم نبوی'' پر ہوتا ہے' اس کے بالمقابل ''قطب ابدال'' دنیا کے تکوینی امور' جیسے بلاؤں کا ازالہ' امراض کا خاتمہ' حصول عافیت اور رزق رسانی وغیرہ کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس کو پل بھر کی فرصت نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔ اس فرق کی وضاحت کے بعد دور حضرت رسالت پناہ میں عمر فاروقؓ کے مقام باطنی سے متعلق یہ عجیب انکشاف فرمایا ہے۔

''وقد كان عليه ﷺ قطب الارشاد و كان قطب الابدال فی ذلک الوقت عمر واویس القرنی''

''خود حضور ﷺ تو قطب ارشاد تھے اور اسی دور میں عمر اور اویس قرنی قطب ابدال تھے''۔

تجدید دین کا کارنامہ ''نسبت فاروقی'' کے ذریعے انجام پاتا ھے

ردو قبول اہل بصیرت پر چھوڑتے ہوئے مکتب ''تصوف واحسان' کے ابجد خوان کی حیثیت میں ''نسبت فاروقی'' سے متعلق ایک غور طلب بات پیش کرنے کو جی چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر نسبت کا ایک لون (رنگ) ہوتا ہے اور جب کبھی کسی خاص نسبت کا ظہور کہیں ہوتا ہے تو اس صاحب نسبت سے اسی رنگ کے مخصوص کمالات ظاہر ہوتے ہیں اور نسبتوں کے ان الوان کے اشارات خود احادیث نبویہ سے ملتے ہیں مثلاً حضرات نقشبندیہ جو نسبت صدیقی کے حامل ہیں ان میں سینہ بہ سینہ القاء کا ظہور زیادہ ہے اس کا اشارہ اس ارشاد نبوی میں صاف ملتا ہے کہ ماصب الله فی صدری شیاء الا صببه فی صدر ابی بکر ''اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں کوئی بات ایسی نہیں ڈالی جو میں نے ابوبکر کے سینہ میں نہ ڈالی ہو''۔

یا مثلاً حضرات چشتیہ جو نسب علوی کے حامل ہیں ان میں قنائیت کا کمال بہت زیادہ ہے یہ فیض عینیت کا اثر ہے جس کا اشارہ اس

حدیث پاک میں ملتا ہے کہ

علی منی وانا منه

''علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں''

اسی طرح اگر غور کیا جائے تو فاروق اعظم کے بارے میں جو خاص ارشاد نبوی ہے وہ یہ ہے کہ

لو کان بعدی نبی لکان عمر

''میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے''۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نظام شرعی کی ترویج وتجدید کے کارنامے کا خصوصی تعلق ''نسبتِ فاروقی'' ہی سے ہے اور جب کبھی ''نسبت فاروقی'' کا فیضان خاص کسی ولی پر غالب آتا ہے تو اس سے تجدید دین کا کارنامہ سرانجام پاتا ہے خواہ وہ کہنے کو نقشبندی ہو یا چشتی یا قادری یا سہروردی اس حقیقت کے ماسوا تاریخ مجددین پر سرسری نظر ڈالئے تو ''اتفاق مشیت'' کا ایک اور کرشمہ نظر آئے گا وہ یہ کہ دین محمدی کے مجدد اول اور پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں جو نسبت باطنی رکھنے کے علاوہ فاروق اعظم کے پر پوتے بھی ہیں پھر ہزارہ ثانی کے مجدد اول حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ جن کا نام نامی ہی ''مجدد الف ثانی'' پڑ گیا ہے' وہ بھی فاروقی النسب ہی ہیں۔ بارہویں صدی کے مجدد کبیر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ بھی نسبتاً فاروقی ہی تھے۔ اسی طرح چودھویں صدی میں دین محمدی کے ایک اور ممتاز مجدد مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ بھی نسباً فاروقی ہی ہیں ان چار ہستیوں کے علاوہ درمیانی صدیوں کے مجددد ین کی جو فہرستیں امام جلال الدین سیوطی یا اور محدثین نے مرتب فرمائی ہیں' ان میں سے ایک ایک کو دیکھا جائے تو اور بھی ہستیاں ایسی نکل آئیں گی جن میں فاروقی خون جوش زن ملے گا گو ہمارے نزدیک تجدیدی کارنامے کا انحصار نسبت پر نہیں بلکہ محض ''نسبت فاروقی'' کے زور پر ہے۔ واللہ اعلم

......☆☆☆............

حواشی

(1) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ فصل دوم

(2) ازالۃ الخفاء، فصل سوم

(3) محدثیت سے مراد فہم کی وہ اعلی استعداد ہے جس میں عام قوت فکریہ کی محتاجی نہ رہے۔

(4) ازالۃ الخفاء، فصل دوم ۔ حضرت شاہ صاحب نے قرآن، حدیث، ختم نبوت، اور تعامل صحابہ سے بھی اور بے شمار عقلی دلائل سے بھی اس کو ثابت کیا ہے۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب دیکھیں

(5) مکتوب (32) دفتر اول۔ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

(6) ''مکاتیب سلیمان'' مرتبہ مولانا مسعود عالم حصہ دوم

(7) قرآن وحدیث کی اصطلاح میں نہ کہ ہماری زبان کے محاورہ میں

(8) ترمذی بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(9) مشکوۃ المصابیح، باب مناقب صحابہؓ فصل ثانی

(10) ابن جوزی سیرۃ عمر

(11) (12) سیرۃ عمر بن الخطاب از علی طنطاوی بحوالہ ابن جوزی

(13) سیرۃ عمر بن الخطاب از علی طنطاوی بحوالہ تنبیہ المفترین للشعرانی 48

(14) بحوالہ الحلیہ 5:1

(15) ایضاً ابن سعد 362/1 ابن جوزی

(16) نزہت الابرار تذکرۃ حضرت عمرؓ

(17) ارشاد الطالبین مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی بحوالہ دیلمی وفردوس وابونعیم در حلیہ

(18) ترمذی بروایت عبداللہ بن عمر

(19) معارف لدنیہ

(20) خلیل اللہ کی بشریت، حضرات انبیاء کے اوصاف غالبہ از سلیمان ندویؒ

(21) واضح رہے کہ علوی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، یا اویسی نسبتوں کا ظہور معروف سلاسل تصوف میں کسی خاص سلسلہ کا پابند نہیں، بلکہ یہ بجلیاں ہر سمت کوندتی رہتی ہیں، دراصل اس کا انحصار کسی اہل اللہ کے اپنے شاکلہ پر ہے۔ اس کی نہایت عام فہم مثال حضرت حکیم الامت نے یہ ارشاد فرمائی کہ مرغی انڈا اگر بطخ کے نیچے رکھئے تو مرغی برآمد ہوگی۔ بطخ کے سینکنے سے بطخ برآمد نہ ہوگی اسی طرح اس کے برعکس معلوم ہوا کہ دارومدار انڈے کی طبعی استعداد پر ہے نہ کہ مرغی یا بطخ کی حرارت پر----!! (ماخوذ از ماہنامہ میثاق لاہور)

ers. (9: 105). **Allah**, **His** Messenger-SAWS and sincere Muslims would see whether one's deeds corroborate the verbal claims or not. If these are in accordance with one's claims, then that person is a sincere believer, otherwise a hypocrite. One may deceive the people in this world but not in the Hereafter: *And you will be brought back to the Knower of the invisible and the visible and* ***He*** *will tell you what ye used to do*. (9: 105)

The yardstick therefore, is a sincere and ardent service to Islam, adherence to the Holy Prophet-SAW and the attainment of his good pleasure. A true believer tries to abide by the desire of the Holy Prophet-SAW even to the peril of his own life. He thus attains to a level of Fana fir-Rasul according to his capacity. Some lukewarm people luckily get a strong and sincere guide, who takes them along, however, that is not their personal achievement. You would be able to observe this difference more vividly in meditations. Some people are so strong that if they are taken to a spiritual station, it becomes their personal achievement and they subsequently ascend to it at their own. On the other hand, the weak ones may be taken to a particular station, but when they perform Zikr alone, they cannot reach there, that is because it was not their personal attainment. They would have to make concerted efforts to acquire that ability to reach there by themselves. All spiritual achievements depend upon one's personal attributes and effort. Mere association with even the highest ranking saint is of little avail. We have seen hypocrites perishing in the presence of their Shaikh. They not only lost the capacity of good deeds, but also lost their faith during their dying moments. The only reason was that their entire effort had been oriented towards self exaltation and not for attainment of Divine Pleasure. They covertly nursed the desire to achieve some status as recognition of their endeavour. **Allah** is well Aware of such base motives. According to the Divine Will, they receive two punishments here in this world, one of detection and the other of non-fulfilment of their ambition. Then, they are ushered to the doom of the next world which commences at death and climaxes on the Day of Judgement.

In my humble opinion, this criterion is equally applicable to all of us, we are really nothing! All efforts aimed at humbling others and exalting ourselves are futile. The duty of a Shaikh is to take a seeker to the Holy Prophet-SAW who is the sole guide to lead the way to the Supreme Being before Whom everybody has to be humble and submit. The Sufis have therefore appointed Fana fi-Shaikh (extinction of one's self before the Shaikh) as the base. This paves the way to attain Fana fir-Rasul and finally Fana fi-Allah. How can such a person whose base is self negation ever claim self importance? Whenever anyone, whether a Wali or a Shaikh tries to claim self importance, this sublime relationship is instantly severed. Such a person is always detected and he never leaves the world with honour and dignity.

May Allah protect us all from going astray, grant us ardent and sincere love of the Holy Prophet-SAW and take us from this world in his servitude. Amin!

mated. A strong urge is born in the heart to sacrifice everything including one's life for the achievement of Holy Prophet's-SAW pleasure and accomplishment of his sacred mission. The acme of faith is that one's personality should fade into insignificance before him-SAWS. The members of the second category also stayed with the Holy Prophet-SAW, prayed with him, and everyone including the Holy Prophet-SAW, knew them to be amongst the Companions, but **Allah** said, *whom thou (O Muhammad) know not. **We** know them* (9: 101). Seemingly they could deceive the Holy Prophet-SAW but obviously not **Allah** Who knows everything. It may be argued that hypocrisy being a hidden character trait would be revealed only in the Hereafter, but that is not the case. The hypocrites were temporarily able to deceive the Holy Prophet-SAW and the believers but **Allah** declared, *and **We** shall chastise them twice*. (9: 101). The interpreters have expressed different aspects of this retribution. In my opinion, the first punishment is the fear of discovery which always comes true in this world. The second is that all his efforts to deceive the Muslims go to waste, and he is unable to acquire the status for which he aspires and perspires. **Allah** declares: *then they will be relegated to a painful doom*. (9: 101) It means that both types of this punishment are executed in this world, much before the Hereafter.

Prophethood is a personal attribute of the Prophets, but Wilayah (**Allah**'s friendship) does not become the personal attribute of a Wali, and remains conditional upon his conduct. For that reason, all Prophets are innocent, but if a Wali abandons the practice which earned him that status, he loses his Wilayah. A Prophet cannot commit a sin or error, but everybody else whether a Companion, Tab'i, Tab'a Tab'i, scholar, uneducated, Wali or a common Muslim is prone to error. Wilayah depends upon the strength of connection between the Wali and his Prophet or Shaikh (who shows him the way of the Prophet); this connection is his protection. But if a person uses his relationship to build or project his own personality, he ultimately becomes the loser. He is like a hypocrite of the Holy Prophet's-SAW time who proclaimed the Faith and asserted his loyalty to the Holy Prophet-SAW only to satisfy his own desires.

The difference between a true believer and a hypocrite is that the former devotes all his energy and effort to obey the Holy Prophet-SAW, whereas the latter undertakes quasi-obedience only to exploit this relationship for his personal advantage. Anyone adopting this attitude in subsequent generations is identified with the hypocrites of the first generation and treated by **Allah** in exactly the same manner. However, it should not be concluded that everybody who makes a mistake is a hypocrite. The Quran enunciates the difference, *and (there are) others who have acknowledged their faults*. (9: 102). They trust the Holy Prophet-SAW but somehow are unable to follow him completely. They admit their faults, attributing the truth to him, and the failings to themselves. *They mixed a righteous deed with another that was bad*. (9: 102) At times they err due to their human shortcomings but also do good works. *It may be that **Allah** will relent towards them*. (9: 102). Such people are granted the opportunity to repent towards **Allah** and **He** is likely to accept their repentance because **He** is the Forgiving, the Merciful. **He** forgives those who acknowledge the importance of **His** Command but cannot live up to it completely due to their shortcomings. In the case of such people, the Holy Prophet-SAW is addressed by **Allah**: *Take alms of their wealth wherewith thou may purify them and make them grow. Lo! Thy prayer is a relief for them*. (9: 103). The shortfall in their good deeds would be thus covered, their gifts and their invitation be accepted to help purify them and their possessions. *Know they not that **Allah** is **He**, **Who** accepts repentance from **His** bondsmen and takes the alms and **Allah** is **He**, **Who** is the Relenting, the Merciful?* (9: 104). It is but obvious that **Allah** accepts the repentance and contrition of **His** slaves, **He** accepts their lives and their property. After discussing the two categories, they are told that their deeds will determine their status. *And say (unto them): Act. **Allah** will behold your actions and (so will) **His** Messenger and the believ-*

ure; his every action, including his personal and public life, is a symbol of Divine Approval. Similarly, the Muhajirin and the Ansar achieved such a high degree of closeness and devotion to the Holy Prophet-SAW that **Allah** linked the eternal salvation of humanity, to sincere adherence with them.

The Sufis aim at attaining this stage of self extinction (Fana) for, in Tasawwuf, anyone who reaches this stage, does not fall because here he loses his identity. The word extinction implies total devotion to the person from whom one has derived beneficence and blessings. This devotion dominates his personal desires even unconsciously. Once, the son of a Companion sat down with his father for food. He resented the gourd (which was the favourite dish of the Holy Prophet-SAW) and passed some derogatory remarks about it. That was a casual observation but the father drew his sword. The entire family was seized with terror. They did not understand the reason for such a drastic reaction. "Who is he?" the father exclaimed, "to criticise a dish which the Holy Prophet-SAW liked so much"! The son apologised for his unwitting remark. It was after a lot of persuasion that the father consented to spare his son but on the condition that he would never join him for food during the rest of his life. He did not really care about the taste or the food value of gourd but he could not tolerate the slighting of the Sunnah of the Holy Prophet-SAW.

Adherence to the Holy Prophet-SAW is obligatory in matters of faith and discretionary in personal habits. Of course, his personal habits are most blessed and worthy of adoption and if someone is unable to follow them, he is not blameworthy in Shari'ah. But it is an obligation of Fana fir-Rasul (losing ones identity before the Holy Prophet-SAW) that even his personal habits become dearer than one's own life. The Companions had reached that stage of Fana where the line between religious obligations and personal habits disappears. All interpreters, traditionalists and research scholars unanimously agree that the Companions gave equal importance to every Sunnah of the Holy Prophet-SAW. Although they did differentiate between the mandatory and the supplemental, yet they attached equal importance to all. They performed each worship as a token of deep devotion to the Sunnah of the Holy Prophet-SAW. Therefore, they were blessed with an exclusive status by **Allah**, for all time to come. **He** declared that it was impossible for the Muhajirin and the Ansar to do anything against the desire of the Holy Prophet-SAW and anyone who follows them, actually follows the Holy Prophet-SAW and in turn obeys **Allah**. **Allah** would be well pleased with any human being, until the Last Day, who follows them with sincerity and **He** would reward him to the best of his satisfaction and pleasure. The Quran further declares: *And **He** has made ready for them Gardens underneath which rivers flow, wherein they will abide for ever. That is the Supreme Triumph.* (9:100). If someone enters Paradise, it is a great achievement by itself. But for them, this is nothing extraordinary because Paradise has actually been created for them.

Then there was the other category. They too proclaimed the Faith and imitated the sincere Muslims in all good deeds, but **Allah** identifies them as a separate group. *And among those around you of the wandering Arabs there are hypocrites*. (9: 101). It meant that some dwellers of Madinah and its suburbs, who proclaimed the Faith, prayed behind the Holy Prophet-SAW and attended his august company were actually hypocrites. What then is the difference between a true believer and a hypocrite? A believer strives to diminish his personality and subdue his desires. He lowers himself before **Allah** and the Holy Prophet-SAW and endeavours to achieve **Allah**'s Pleasure. On the contrary, a hypocrite aims at personal gains and uses the religion and his relationship with the Holy Prophet-SAW to attain self importance and personal advantage; this is a delicate difference. Proclamation of the Faith does not bring any outer change in a person, apparently everything remains the same. It is the inner self, the deep inside which is subli-

Self Exaltation

(A Fatal Malady)

Translated Speech of

His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Prophets and Messengers are the sources of Divine guidance, while the Holy Prophet Muhammad-SAW is the leader as well as the last of them. He is the fountainhead of all guidance. Deputation of the Prophets divides mankind in two distinct groups. First are those who deny their status, reject their claim of Prophethood and refuse to believe them. Others are those who accept their claim, believe them and are thus called believers. There are again many types of disbelievers - some are enslaved by their customs and cannot abandon them. Others prefer to cling to their ancestral religions. Some do recognise the truth but consider it a threat to their family position and personal status, so therefore they decide to reject it. Similarly, the believers are also divided into two groups. First are those who, after a proclamation of the Faith, strive to acquire the nearness of Holy Prophet-SAW. They associate themselves with him, not for self exaltation, but for self denial; as they draw nearer, their self importance correspondingly decreases. Ultimately, they are completely absorbed by his Sunnah and lose their own identity. The Quran recognises them as: *And the first to lead the way of the Muhajirin (Emigrants) and the Ansar (Helpers)* (9:100). The Emigrants led others in accepting the Faith, remained steadfast with the Holy Prophet-SAW in Makkah, migrated to Madinah to further the interests of Islam, and the Helpers welcomed them with open arms. Both these groups completely subdued their own selves. They gave priority to the commands of the Holy Prophet-SAW over their own desires. Their devotion to the Holy Prophet-SAW was so perfect that **Allah** appointed them as the guides for all to follow: *And those who follow them in goodness* (9: 100). Earnest devotion, not mere lip service, to the way of the Emigrants and the Helpers has been made obligatory for all Muslims to come till the Last Day. This honour given to the Companions is otherwise a unique distinction of the Prophets and Messengers.

The personality of the Messenger is in perfect harmony and resonance with **Allah**'s Commands. The Book declares about the Holy Prophet-SAW: *Nor does he speak of (his own) desire. It is naught save an inspiration that is inspired.* (53: 34). It means that the Holy Prophet-SAW did not speak a single word of his own accord but his every expression was a Divine Revelation. Divine Revelation is of two types; one is the Recited Revelation which is al-Quran and the second is the non-Recited Revelation which is the Hadith that was inspired by **Allah** unto his holy heart and verbalised by him. The difference between the two is that in the first, both the words and the meanings are from **Allah**, whereas in the latter, the meanings are from **Allah** and the words are that of the Holy Prophet-SAW. Surely, in both cases, he has not said anything from himself.

The Holy Prophet-SAW stands at such an exalted station of communion with **Allah**, that despite his individual existence, none of his words or actions can ever be against **Allah**'s Will. The out-standing attribute of those who associate themselves with the Holy Prophet-SAW is that they exalt him and lower themselves till they lose their identity in him. At that stage, all aspects of their lives reflect his laudable Sunnah. The Holy Prophet-SAW is the standard of Divine Pleas-